تفکر و تذکر

اہمیتِ علم اور ہم

ادارہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ارشاد فرمایا ہے:

كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلاً مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۞

"جیسا بھیجا ہم نے بیچ تمہارے پیغمبر تم میں سے، پڑھتا ہے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت اور سکھاتا ہے تم کو جو کچھ کہ نہیں تھے تم جانتے۔"

مندرجہ بالا آیتِ مقدسہ میں علم اور حکمت کی اہمیت واضح کی گئی ہے اور بعثتِ نبوی ؐ کا اہم ترین مقصد کتاب اور حکم کی تعلیم کو قرار دیا گیا ہے۔ عام انسانی سطح پر بالعموم اور دینِ اسلام میں بالخصوص اہمیتِ علم کو ہمیشہ سے تحریر اور تقریر کا موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ علم کا حصول دنیا کی ترقی اور آخرت کی نجات کے لیے بنیادی شرائط میں سے ہے، جب کہ دیگر اہم شرائط عبادت اور عمل ہیں۔ لیکن عبادت اور عمل کی اہمیت کا علم کے بغیر نہ تو احساس اجاگر ہونا ممکن ہے اور نہ علم کے بغیر درست عبادت اور عمل کی بجاآوری کا عرفان و ادراک ممکن ہے۔ آیئے اس پہلو پر ہم پہلے دنیوی نقطۂ نظر سے غور کرتے ہیں۔

یہ بات کسی شرح و بیاں کی محتاج نہیں ہے کہ اقوامِ عالم میں جن اقوام نے سب سے زیادہ ترقی اور عروج کے مراحل طے کیے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے تعلیم کی جانب توجہ مبذول کی ہے، جس کے نتیجے میں یہ اقوام سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدانوں میں نئی نئی فتوحات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئیں، اور جس کے نتیجے میں ان ملکوں میں انسانوں کا معیارِ زندگی بلند ہوا اور غربت، افلاس، بھوک، بیماری اور قدرتی آفات سے نجات حاصل کرنا ممکن ہوا۔ یورپی اقوام کی ترقی ہمارے سامنے ہے۔ ان ممالک کے قدرتی وسائل غیر ترقی یافتہ عوام سے کچھ زیادہ نہیں ہیں لیکن انہوں نے تعلیمی ترقی کی بدولت ترقی اور عروج کے وہ جھنڈے گاڑے کہ تمام اقوامِ عالم کے لیے مثال بن گئے۔ یقیناً تہذیب و ثقافت کی ترقی اور عروج بھی علم سے ہی مربوط ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی ترقی یافتہ اقوام آج ہر لحاظ سے ہم سے زیادہ تہذیب یافتہ ہیں۔ ان کے ہاں سماجی اقدار مضبوط تر ہیں، جمہوری روایات مستحکم ہیں اور ان کے معاشروں میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے۔ آج ہر تحقیق اور ایجاد مغرب میں ہو رہی ہے اور ہم محض ان ایجادات کو استعمال کرنے والے بن کر رہ گئے ہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ مغربی تہذیب کے علم کی بنیاد پر استوار ہونے کے باوجود ہم اسے کمزور اور شاخِ نازک پر بنا ہوا آشیانہ سمجھ کر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ان کی تہذیب جلد زوال پذیر ہونے والی ہے۔ جنسی بے راہ روی اور کمزور خاندانی نظام جیسی چند کمزوریوں سے قطعِ نظر حقیقتِ حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب علم اور تحقیق کی مضبوط بنیادوں پر استوار ہے اور مساوات اور سماجی انصاف کے بل بوتے پر روز افزوں ترقی کر رہی ہے۔ ان مثبت اقدار کے فروغ کے نتیجے میں انہوں نے اپنے ملکوں اور معاشروں کو جنتِ ارضی میں بدل کر رکھ دیا ہے اور اس فلاحی ریاست کے تصور کو ممکن بنایا ہے جس کا انسان ہمیشہ سے خواب دیکھتا آ رہا ہے۔

میرے مغرب کی تعریف میں رطب اللسان ہونے کا سبب

مغربی نظام سے مرعوب ہونا یا اس کے سامنے احساسِ کمتری کا مظاہرہ نہیں ہے، البتہ میں ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ اور یورپ کو جلد زوال آنے والا ہے اور دنیا میں مسلمانوں کا اقتدار اور اثر و رسوخ قائم ہونے والا ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ جب کہ حقیقی صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا کی سو بہترین یونیورسٹیوں میں سے ایک بھی یونیورسٹی کسی اسلامی ملک میں نہیں اور ان میں سے سرِ فہرست یونیورسٹیاں امریکہ، برطانیہ اور یورپ میں ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جن ملکوں اور معاشروں میں تعلیم کی شرح سو فیصدی ہو اور جن کی معیشت اور سیاست کی بنیاد علم اور حکمت یعنی سائنس پر استوار ہو وہ تو زوال پذیر ہو جائیں اور ہم جیسی اقوام جن میں جہالت، ظلمت، افلاس، تعصب، تنگ نظری، عدم برداشت، کرپشن، ظلم اور خودغرضی کا دور دورہ ہے، اچانک سے عروج پا کر اقوامِ عالم کی امامت کے قابل بن جائیں۔

بدقسمتی سے ہمارا ملک تعلیم، معاشی ترقی، سماجی انصاف اور جمہوری اقدار کے حوالے سے دنیا کے پسماندہ ترین قوموں کی صف میں شامل ہو چکا ہے۔ البتہ غربت، بیماری، بھوک، خشک سالی، آفاتِ ارضی و سماوی، سماجی عدم انصاف، شہروں کی غلاظت اور آلودگی، ماحول کی تباہی، عدم برداشت، تشدد، فرقہ واریت، قتل و غارت، عدم تحفظ جیسے منفی حوالوں سے جب اقوامِ عالم کی فہرست مرتب کی جاتی ہے تو ہم سرِ فہرست قرار پاتے ہیں۔

یہ عمومی حالت وطنِ عزیز پاکستان کی ہے، جہاں تک نوربخشی معاشرے کا تعلق ہے جس کے متعلقین کی اکثریت اس ملک کے ایک انتہائی دور افتادہ ضلع تک محدود ہے تو ہماری حالتِ زار اور بھی خراب تر معلوم ہوتی ہے۔ تقریباً ایک صدی تک ڈوگرہ راج کے ظلم و ستم کا شکار رہنے والا یہ معاشرہ تعلیم اور ترقی کے ثمرات سے یکسر محروم رہا ہے، جس کے باعث یہاں غربت و افلاس، بیماری اور کسمپرسی دور دورہ رہا ہے۔

یہ امر خوشی کا باعث ہے کہ ماضی قریب میں اس علاقے کے نوجوانوں میں حصولِ تعلیم کا شوق دوچند ہو چکا ہے اور سڑکوں کی تعمیر سے اس علاقے میں معاشی سرگرمیاں بھی پہلے سے بڑھ گئی ہیں۔ نتیجتاً ماضی کے مقابلے میں اب یہاں ترقی، خوش حالی، روشن خیالی اور جمہوری اقدار کا فروغ دیکھنے میں آتا ہے۔ اہلِ بلتستان بالعموم اور اہلِ صوفیہ نوربخشیہ بالخصوص دنیا کے پُرامن ترین لوگ ہیں۔ بدقسمتی سے گزشتہ چند دہائیوں میں نام نہاد ملاؤں اور مذہبی ٹھیکیداروں نے سادہ لوح عوام کو چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات میں الجھا کر انہیں آپس میں دست و گریباں ہونے پر مجبور کیے رکھا ہے۔ ان مذہبی ٹھیکیداروں کے اس طرزِ عمل کا بنیادی مقصد اپنے ذاتی مقاصد کا حصول اور اپنی دکان داری کو چمکانا ہے، جب کہ ان کے پیدا کردہ تعصبات کے نتیجے میں نہ صرف امن و اخوت کی فضا متاثر ہوئی ہے اور معاشرے کا امن چین تباہ ہو کر رہ گیا ہے بلکہ نوجوانوں کا ذہن بھی انتشار کا شکار ہوا ہے اور وہ علم اور سائنس کے میدانوں میں آگے بڑھنے کے بجائے تعصب و تنگ نظری کے تاریک حصار میں پھنس کر رہ گئے ہیں۔ یہ الگ بات کہ اس علاقے کے نوجوان اپنی خداداد صلاحیتوں، اور سعی و جستجو کے بل بوتے پر اب زندگی کے مختلف میدانوں میں آگے بڑھتے بھی نظر آتے ہیں۔

ہماری ضرورت کیا ہے؟

ہماری اہم ترین ضرورت محض تعلیم ہے، ایسی جدید تعلیم جس کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا اہتمام ہو۔ انتہائی ضروری ہے کہ زعمائے قوم جنگی بنیادوں پر کام کر کے تمام بچوں کو سکولوں میں داخل کرائیں اور مفلس و نادار بچوں کی تعلیم کے لیے وظائف کا بندوبست کریں۔ میں اپنی توجہ چھوٹے پیمانے پر اس مقصد کے حصول پر مرکوز کرتے ہوئے کہنا چاہتا ہوں کہ بلتستان یا کم از کم ضلع گانچھے میں شرحِ تعلیم سو فیصد کرنا عوام اور حکومتی نمائندوں کی پہلی ترجیح ہونی چاہیے۔ دیگر تمام منصوبے ملتوی اور مؤخر کیے جائیں اور تعلیم کا بجٹ بڑھا کر کم

ازکم پچاس فیصد کر دیا جائے۔تمام موجودہ سرکاری سکولوں کے معیار کو بہتر بنایا جائے اور پرائیویٹ سکولوں کی سرپرستی کی جائے۔کم ازکم ضلع گانچھے میں ایک کیڈٹ کالج کے قیام کے لیے تمام سیاسی نمائندوں کو مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے اور حکومتِ وقت کے سامنے اپنے مطالبات میں اس کو سرِفہرست رکھا جائے۔اسی طرح بلتستان کے تمام سیاسی نمائندوں اور اربابِ اقتدار بلتستان میں ایک میڈیکل کالج اور ایک انجینیرنگ یونیورسٹی کے قیام کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیں۔تعلیمی نظام کی ترقی اور بہتری کے لیے بین الاقوامی مالیاتی اداروں سے بھی مدد لینے کی کوشش کی جائے۔

اوپر اس ضرورت کی نشاندہی ہو چکی ہے کہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا بھی بندوبست ہو۔دینی مدرسے ہماری اہم ضرورت ہیں لیکن ان مدارس سے تخصیص کے ساتھ فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام کی معاشی بہتری کے لیے ان مدارس میں مروجہ تعلیم کا ہونا نہایت ضروری ہے۔جو طلبہ محض مروجہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان کا سکولوں اور کالجوں کے بعد وقت کا ایک حصہ ان دینی مدارس میں قرآن، حدیث، اور تصوف کی تعلیم کے لیے مختص ہونا ضروری ہے، تاکہ دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تربیت کا بھی بندوبست ہو۔

نشرواشاعت کی اہمیت:

ہمیشہ کی طرح اس بار بھی گفتگو کی تان نشرواشاعت پر ہی آکر ٹوٹی ہے۔اس کا سبب یہ ہے کہ نشرواشاعت ہماری قوم کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔کتاب کے بغیر علم کا حصول ممکن نہیں اور کتاب کی اشاعت کے لیے اشاعتی سرگرمیاں ناگزیر ہیں۔شاہ ہمدان پریس اینڈ پبلی کیشنز مخلص نوربخشی نوجوانوں کی ایک مخلصانہ کاوش تھی، امید یہ کی جا رہی تھی کہ اس منصوبے کے ساتھ تصنیف و تحقیق و تالیف کے معاملات میں تیزی آنے کے ساتھ ساتھ نوربخشی کتابوں کی نشرواشاعت کا سلسلہ بھی تیز تر ہو جائے گا۔مگر افسوس کا مقام ہے کہ ایک سال گزرنے کے باوجود اس ادارے کے پلیٹ فارم سے محض ایک آدھ کتاب ہی منظرِ عام پر آ سکی ہے۔شاہ ہمدان پریس کے معاملات تسلی بخش نہیں اور اس طرف توجہ کرنے کا کسی کے پاس وقت بھی نظر نہیں آتا۔یہی حال جامعہ شاہ ہمدان کا ہے کہ عظیم الشان عمارت کی تعمیر کے باوجود نظامِ تعلیم کی بہتری کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جا سکی ہے اور اس جامعہ کے طالب علم ادھوری تعلیم اور ناپختہ ذہن کے ساتھ معاشرے کی طرف لوٹ رہے ہیں۔

اندھیرے میں روشنی کی ایک واحد کرن مجاہدِ قوم جناب یعقوب براہوی کی مساعی ہیں جنہوں نے شب و روز کی محنت سے کم ازکم چار ہزار نوربخشی مخطوطات دنیا بھر کی لائبریریوں سے حاصل کی ہیں۔افسوس تا حال ان نسخہ جات کی پرنٹنگ بھی نہیں ہو پائی ہے۔یعقوب صاحب صد ہا خراجِ تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بغیر کسی ذاتی لالچ کے محض خلوصِ نیت کی بنیاد پر فروغِ علم کا علم بلند کیا ہے۔ان کی کوشش سے ساٹھ سے متجاوز نوربخشی کتابیں نہ صرف موبائل ایپلی کیشنز کی صورت میں ہر خاص و عام کے استفادے کے لیے مفت دستیاب ہیں بلکہ دو ویب سائٹس sufi book.com اور nawa-i-sufia.com پر بالترتیب نوربخشی کتابیں اور نوائے صوفیہ کے تمام گزشتہ شمارے مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب ہیں۔نوربخشی نوجوانوں خصوصاً این وائی ایف کے اراکین کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ یعقوب صاحب کی ان مساعی میں ان کے دست و بازو بننے کی کوشش کریں۔ان کی کوششوں کا مقصد محض مسلکِ صوفیہ نوربخشیہ کی ترقی اور ترویج نہیں بلکہ علم کا عمومی فروغ ہے تاکہ معاشرے کی جہالت دور ہو، ترقی کو فروغ ملے اور نوربخشی معاشرہ امن، خوش حالی، محبت اور اخوت میں قابلِ تقلید مثال بن جائے، نیز ان شمعوں کی روشنی چاردانگِ عالم میں پھیلے اور تمام انسانی معاشرے اس ترقی سے مستفید ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

☆☆☆☆☆

الکتاب

القرآن المجید

مولوی عبدالحمید

أَفَلَا يَنظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ. وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ. وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ. وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ. فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ. لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ. إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ. فَيُعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ. إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ. ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُم. (سورۃ الغاشیۃ ۱۷-۲۶)

ترجمہ: کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب) پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ آپ جبر سے انہیں سنواتے تو نہیں ہیں مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کی تو اللہ اسے سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں آخر ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمے ان کا حساب لینا ہے۔

تشریح:

گزشتہ قسط میں سورہ غاشیہ کی آیات ۱ تا ۱۶ کا ترجمہ اور تشریح پیش کرنے کی سعادت حاصل کی تھی جس میں الغاشیہ کا معنی پھر جنہوں کی حالت زار اور اہل جنت کی حوصلہ افزائی اور عزت افزائی کا بیان ہوا تھا۔

آیت نمبر ۱۷ سے اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اپنی وحدانیت اور قدرت کاملہ کا بیان کر کے انہیں روز قیامت پر پختہ یقین پیدا کرنے کے لیے عقلی دلائل پیش فرما رہا ہے۔ تا کہ انسان دوزخ کی آگ کا حقدار بننے کی بجائے جنت کی لازوال نعمتوں کا حقدار ٹھہرے۔ افلا ینظرون کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے سوالیہ انداز اپنا کر اللہ رب العزت دعوت فکر دے رہا ہے۔ سب سے پہلے اونٹ کی طرف ان کی توجہ مبذول کر رہا ہے کیونکہ یہ جانور عرب میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کی خوبیوں اور خصلتوں سے یہ لوگ پوری طرح واقف ہیں۔

اُونٹ کی تخلیق:

اُونٹ قد و قامت اور جسامت کے اعتبار سے بہت بڑا جانور ہے۔ مگر اللہ نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ انسان کا مطیع بنایا۔ ایک چھوٹا سا بچہ بھی اس کے نکیل پکڑے تو بے چوں و چراں اس کی تعمیل کرتا ہے۔ اس کی ایک اور اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے کوہان میں اللہ نے ہفتہ ہفتہ کے لیے پانی ذخیرہ کرنے کا نظام رکھا ہے۔ چنانچہ عرب کے لق و دق صحراؤں میں یہ ہفتہ ہفتہ کھائے پیے بغیر سفر کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ پھر اس لمبے تڑنگے جانور پر سوار ہونے کے لیے اس کے ہر پاؤں میں دو دو گھٹنے بنائے ہیں تا کہ یہ آرام سے نیچے بیٹھ سکے اور انسان آسانی کے ساتھ اس پر سوار ہو سکے۔

آیت کریمہ میں چار چیزوں کا خصوصی طور تذکرہ فرمایا ہے۔ انہیں دیکھ کر نصیحت پکڑنے اور اللہ کی وحدانیت پر یقین کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

۱۔ اُونٹ ۲۔ آسمان ۳۔ پہاڑ ۴۔ اور زمین

صحرائے عرب کی مشہور سواری اونٹ تھا۔ جب کوئی اونٹ پر سوار ہو کر سفر کر رہا ہوتا اور تو اوپر دیکھے تو آسمان، نیچے دیکھے تو خشک صحرا اور زمین دائیں بائیں پہاڑ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں کم از کم اپنی تخلیقات کو دیکھ کر ایمان لانے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

فذکر انما انت مذکر (آپ نصیحت کیجئے آپ کا کام نصیحت کرنا ہے) فرما کر ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری کی طرف اشارہ فرمایا ہے تو دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ کیونکہ کفار و مشرکین کو خوب ہدایت فرماتے جب کوئی دولت ایمان سے مشرف ہوتا تو آپ کو بڑی خوشی ہوتی مگر

انتھک محنت کے باوجود کوئی دولت ایمان سے پھر بھی محروم رہتا تو آپ کو سخت پریشانی ہوتی اور آپ کا قلب مبارک رنجیدہ ہوتا کہ یہ لوگ کیوں دولت ایمان سے محروم ہیں۔ کہیں قیامت کے دن اس بارے میں مجھ سے باز پرس ہو تو میں کیا جواب دوں گا۔ آپ کی پریشانی اللہ تعالیٰ کو کسی طرح گوارہ نہ ہوئی کہ جسے میں نے محبوب بنا کر بھیجا ہے وہ آزردہ ہوں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ آپؐ کے ذمے صرف نصیحت اور ہدایت کرنا ہے۔ لست علیھم بمصیطر آپ کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا کہ وہ ہر حال میں ایمان بہ شرف ہونا آپ پر لازم ہے اور اگر کوئی ایمان نہ لائے تو اس بارے میں آپ سے مواخذہ ہوگا۔ ایسی بات ہرگز نہیں ہے آپ کی ذمہ داری بلاغ المبین ہے۔ چنانچہ ایک جگہ قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوا۔

لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء.

ترجمہ: چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں، گھر میں، چبوترے پر، پگڈنڈیوں میں، راستوں میں، بازاروں میں جو کوئی جہاں ملتا اسے اسلام اور ایمان کی دعوت دیتا۔ خوش نصیب آپ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام اور ایمان کی دولت سے بہرہ ور ہوتے اور کفر کی تاریکی اور جہالت سے نکل آتے۔ جبکہ کچھ بدبخت ہر قسم کی نصیحت و تبلیغ حتیٰ کہ معجزات دیکھنے کے باوجود بھی کفر و ظلمت میں پڑے رہتے اور ایمان کی دولت انہیں نصیب نہ ہوتی اور فرمان الٰہی کے مطابق یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا. اور دولت ایمان سے وہی لوگ محروم رہتے جن کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔ سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم فھم لا یومنون. (سورہ بقرہ)

اے پیارے حبیبؐ آپ انہیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ختم اللّٰہ علی قلوبھم و علی سمعھم وعلی ابصارھم غشاوۃ ولھم عذاب عظیم. (اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر کفر و شرک کے پردے پڑے ہوتے ہیں اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔

درس عبرت:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کائنات میں اور اللہ کی تخلیق میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے ہر چیز میں اللہ کی قدرت، کاریگری اور نشانی نظر آتی ہے۔ ففی کل شئی لہ آیۃ علی انہ وحدہ یعنی کائنات کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ اللہ کی یکتا ذات ہی خالق و مالک ہے۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے ان یکون لطقی ذکرا وصمتی فکرا ونظری عبرۃ. اے اللہ میرا بولنا ذکر ہو، میری خاموشی فکر ہو اور میرا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمارا بولنا بھی ذکر الٰہی سے خالی نہ ہو ہماری خاموشی بھی غور و فکر سے خالی نہ ہو اور ہمارا دیکھنا بھی عبرت، درس اور سبق کے لیے ہو۔ اس کا نام تصوف ہے اور یہی تصوف کا خلاصہ ہے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

بقیہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

قتل حسینؑ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

حضرت امام حسینؑ نے یہ آخری پُرخطر مگر نیک انجام راستہ اختیار کیا اور نتائج نے بتا دیا کہ بظاہر ناکام ہونے والے حسینؑ ہی کامیاب ثابت ہوئے بے شک حضرت شبیرؑ شہید ہو گئے۔ اُن کے ساتھی ایک ایک کر کے میدان میں کام آئے۔ اُن کے خیام لوٹ لیے گئے۔ اُن کی لاشوں کو گھوڑوں ٹاپوں نے پامال کر دیا۔ مگر آج دنیا کے اہل فکر و نظر سے پوچھئے کہ فتح کس کی ہوئی؟ یزید کی یا امام حسینؑ کی؟ تو سب امام حسینؑ کا ہی نام لیں گے۔ لہٰذا ہمیں بھی درس حسین سے سبق حاصل کرنا ضروری ہے اور معرکہ کربلا کو سامنے رکھ کر غور و فکر کریں کہ حسینؑ حق پر تھے یا یزید، یزید فسق و فجور میں ڈوبا ہوا اور حسین حق و صداقت کا علمبردار، یزید عیاشی و بدمعاشی میں مست اور حسینؑ دین اسلام کو بچانے میں ہر وقت حاضر تھے۔ حسینؑ ابن علیؑ کی زندگی کو ہم اپنا محور و مقصد بنائیں اور اسی کے مطابق اپنی زندگی کو گزارنے کی کوشش کریں۔ تمام ملت اسلامیہ کے لیے ضروری اور اہم ہے۔ آخر میں میری دعا ہے کہ رب العالمین ہمیں حسینؑ ابن علیؑ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

☆☆☆☆☆

حسینیت

فلسفہ قیام امام حسین علیہ السلام

ذاکر حسین ذاکر

تاریخِ انسانیت میں واقعہ کربلا جیسا کوئی اور واقعہ ایسا نہیں جس کی تاثیر اس قدر آفاقی اور ابدی ہو، جو ہر دور میں ظلم و جبر کے خلاف کلمہ حق بلند کرنے کا ایک استعارہ بن چکا ہے۔ بایں ہمہ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس واقعے میں عملیت اور انقلابیت کی نسبت افسانویت کا رنگ بھی بھر دیا گیا، جس سے اُس عملی اور حرکی پیغام کی حرارت کافی حد تک رسومات کے دھندلکوں میں مستور ہو کر رہ گیا۔ ایسا کیوں ہوا، اس کی بھی وجوہات ہیں۔ انشاء اللہ اس مضمون میں امام عالی مقام کے فلسفۂ قیام کو خود آپؑ کی خطبات اور آپ کے وارثانِ علم و عمل کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش ہوگی۔ تاہم اس سے قبل اُس تاریخی پس منظر کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ آخر واقعہ کربلا اور عزاداری میں معنوی عملیت پسندی اور روحانی انقلاب پسندی کی جگہ افسانوی روایت پسندی اور رسومات کیسے شامل ہو گئیں۔ چونکہ واقعہ کربلا حق پرستوں کی روح کو گرمانے اور مستضعفین جہان کیلئے اُمید کا ایک ابدی مظہر اور منبع ہے، جو انسان کو قوت انکار سے سرشار کرتا ہے، جو ”لا“ کی تلوار سے باطل کی رگوں سے خون کھینچ لیتا ہے، جو اپنے خون سے صحرا میں ”الا اللہ“ لکھ کر ہماری نجات کا راز آشکار کرتا ہے، جو ظالم کو خود اس کے دربار میں کلمہ حق کی تلوار سے شکست فاش دینے کا سبق دیتا ہے، جو حق کی راہ میں شہادت کو شہد سے زیادہ شیریں بناتا ہے، جو مصائب میں صبر و استقامت کی مثال قائم کرتا ہے، جو ظالم اور فاسق حکمرانوں کے منحوس چہروں کو بے نقاب کر دیتا ہے۔

اگر عزاداری واقعی میں ان انقلابی پیغامات کی ترسیل کا ایک بنیادی وسیلہ بن جائے، تو خطرہ کس کو ہوگا، یقیناً عزاداری امامؑ کی حقیقی معنوں میں احیاء، جیسا کی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے کی وہ عزاداری دربار شام کو ہلا کر رکھ دیتی ہے، بازار کوفہ کو زلا کر رکھ دیتی ہے۔ کیا آج ہماری عزاداری ظلم کے ایوانوں کو ہلانے کے قابل رہی ہے؟ کیا آج ہماری مجالس حق پسند غیر مسلموں کو بھی اس قدر متاثر کر سکتی ہیں کہ وہ جابر حکمرانوں کے دربار میں حق کے لیے حسینؑ کے نام پر اپنی جان دینے پر آمادہ ہوں، جیسا کہ دربار شام میں سیدہؑ کے خطبے نے وہ ماحول پیدا کر دیا تھا۔

اگر ایسا نہیں اور واقعی ایسا نہیں تو آخر کمی کس چیز کی ہے؟ یہ بات درست ہے کہ ہم میں فصیح العربؑ کی شہزادی جیسی قوتِ خطابت نہیں، یہ بھی درست کہ ہم میں اُن کی طرح جرأت بھی نہیں کہ خاندان اجڑنے کے باوجود یتیموں کا قافلہ سالار ہوتے ہوئے اسیری کی اس کیفیت میں ایسی ہمت سے مظلوم اور ظالم دونوں کا اس طرح تعارف کرائے کہ حق و باطل روز روشن کی طرح عیاں ہو۔ تاہم تمام تر کم مائیگی کے باوجود میرا ایمان ہے کہ اگر عزاداری کو اس طرح منائیں جیسا کہ سیدہ زینبؑ نے اہتمام کیا تھا، ہم سیدہؑ کے پیغام کو اُسی روح سے پہنچانے کی کوشش کریں تو اس میں اتنی تاثیر ضرور ہے کہ ہم بھی ظلم کے ایوانوں کو ہلا سکے، کم از کم مستضعفین کو اتنی جرأت دے سکے کہ وہ اپنے حق کیلئے بلا جھجک آواز اٹھا سکیں۔ کسی داعش کی یہ ہمت نہ ہو کہ آج بھی انسانی لاشوں کو چوراہوں پر لٹکائے، کسی دہشت گرد گروہ کی یہ ہمت نہ ہو کہ وہ عبادت میں مصروف لوگوں کو اُن کے سجدوں میں خون سے نہلائے یا نام دیکھ کر مسافروں کا قتل عام کرے۔

لاکھ جتن کے باوجود جب جابر لوگوں نے دیکھا کہ عزاداری کو روکنے کی کوئی بھی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر کوشش کریں تو اس میں اور تیزی آجاتی ہے۔ اور یہ کہ عزاداری ظلم کے خلاف آوازِ حق بلند

کرنے کی ایک مثالی تحریک بن چکی ہے۔ تب شیطان کی مجلس شوریٰ میں مشاورت کے بعد یہ بات طے پائی کہ عزاداری کو روکنے کی ناکام کوشش کی بجائے، اس کے اصل پیغام کو ماند کرنے کی کوششیں کی جائیں۔اس میں رسومات، تحریفات، توہمات اور ثواب کا لالچ بھر دیا جائے تاکہ عزاداروں کی توجہ اصل پیغام سے ہٹ کر رسومات کی بھول بھلیوں اور ثواب کمانے کی دوڑ میں لگ جائے۔معذرت خواہ ہوں اگر لفظ 'ثواب' کے ساتھ ناانصافی ہو، لیکن یہاں اس لفظ کو عوامی مفہوم میں استعمال کیا ہے، جس کو رسومات کی ادائیگی پر بے حساب بانٹ دیا جاتا ہے، جو کبائر گناہوں کی تلافی کیلئے بھی کافی سمجھا جاتا ہے۔اس کی ایک واضح مثال آپ کو اُس وقت نظر آئے گی جب ذاکرین اپنے مجالس اور مصائب کی بنیاد ہی کسی شخص کے خواب پر رکھ دیتے ہیں اور لوگ اتنے سادہ لوح ہیں کہ وہ خوابوں پر حقیقت سے زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خواب غلط ہوتے ہیں، بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر کسی نے خواب میں کچھ دیکھا ہے تو ممکن ہے وہ خواب صرف اُس فرد کیلئے ایک جواز ہو، لیکن اسے عوامی سطح پر بطور دلیل پیش کرنا شرعی اعتبار سے کسی بھی طور درست نہیں۔آپ نے بھی مصائب کی کئی کتابوں اور ذاکرین سے اس طرح کے خوابوں کو ایسے پیش کرتے دیکھا ہوگا، جیسا کہ وہ ایک مسلمہ تاریخی واقعہ ہو۔ذاکرین کے وہ انداز ے کہ شاید ایسا ہوا ہوگا، ویسا کہا ہوگا وغیرہ جیسی باتیں خوابوں کے علاوہ ہیں۔

کربلا ایک ابدی حقیقت ہے، اس کی حقیقت اور حقانیت کو ثابت کرنے کیلئے کسی خواب کا سہارا لینے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ عزاداری میں تحریفات اور پس منظر سے متعلق میری نظر میں سب سے مستند کتاب شہید مرتضیٰ مطہریؒ کی کتاب ''حماسۂ حسینی'' ہے، اس کتاب کا مطالعہ آپ کو کافی حد تک فلسفۂ قیام سے شناسا کرنے میں مددگار ہوگا۔

عزاداری سے متعلق تاریخی واقعات میں تحریفات یا مبالغہ آرائی بالکل ایک الگ موضوع اور المیہ ہے۔جس میں اموی حکمرانوں اور عزاداروں دونوں نے حصہ ڈالا۔جبکہ قیامِ امامؑ کی تاریخی پس منظر کے بارے میں تشریحات، تحریفات اور تاویلات بالکل الگ موضوع ہے جو خالصتاً علمی نوعیت کا ہے۔تاریخ میں تحریفات اور غلط تاویلات زیادہ خطرناک ہیں، کیونکہ اس سے قیامِ امام کے مدعا اور سمت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں اور یوں اصل رُخ کا تعین مشکل ہوجاتا ہے۔اس ضمن میں امیر معاویہ کی زندگی میں یزید کی جانشینی اور ان کی موت کے بعد یزید کے اندازِ حکمرانی کے پس منظر میں امام حسین علیہ السلام کی جدوجہد، بیعت کے مطالبے پر آپؑ کا ردِ عمل، قیام اور سفر کے تاریخی واقعات کو خاندانِ رسالت کی مزاج کی روشنی میں دیکھنے کی ضرورت ہے جس سے قیامِ امام کی اصل سمت کا پتہ لگانا ممکن ہوگا۔

تاریخی اعتبار سے قیامِ امام حسینؑ کی تاویلات کرتے ہوئے ہمیں کئی رجحانات ملتے ہیں۔ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو امام عالی مقامؑ کی جدوجہد کو شعوری اعتبار سے دیدہ و دانستہ ''قیام'' نہیں سمجھتے۔ایک گروہ وہ ہے جو اس پورے واقعے کو مسلط کردہ حالات کے تناظر میں مجبوراً اُٹھائے گئے اقدام سے تعبیر کرتے ہیں۔جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ امام عالی مقامؑ کا ایک ایک قدم ایک متعین مقصد اور منزل کی طرف سفر تھا۔آپ کا ہر قدم اور اقدام حالات کے تناظر میں شعورِ امامت کے تحت فرضِ منصبی کی ادائیگی پر مبنی ''قیام'' تھا۔

'قیام' سے مراد اُٹھ کھڑے ہونا، جم جانا، استقامت کے ساتھ اپنے مؤقف پر قائم رہنا، ڈٹ جانا، نہ جھکنا اور سربلند رہنا ہے۔ اپنے مقصدِ قیام کے بارے میں امام فرماتے ہیں ''میں نے امر بالمعروف کیلئے قیام کیا ہے تاکہ دین کو زندہ کروں اور خرابیوں سے لڑوں، میری تحریک ایک اسلامی تحریک ہے'' (فرمان امام بحوالہ حماسہ حسینی)۔ جب امامؑ نے یہ دیکھا کہ دین یعنی شریعت مقدسہ کو شہید کیا جارہا ہے، تو اسے زندہ کرنے کو اپنے قیام کا مدعا قرار دیا۔

یہاں پر ایک نہایت بنیادی نکتے کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس طرح کا قیام (دشمن کی عددی طاقت کا بخوبی ادراک رکھنے کے باوجود، انکار پر قائم رہتے ہوئے جنگ کو ترجیح دینا) کب

لازم ہوتا ہے؟ اگر یہ نکتہ سمجھ آجائے تو ممکن ہے کہ قیام کا مدعا واضح ہو جس کا درس امام حسینؑ نے عملاً ہمیں بھی دیا ہے اور بطور حکم امام حسینی ہونے کے ناتے ہم پر بھی لازم ہے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ آجائے تو جان لیں ہم مدعائے کربلا کو پاچکے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا یزید کے علاوہ کسی اور حکمران کی دور میں خرابیاں نہیں تھیں۔ کیا دیگر بنو امیہ اور بنوعباسی حکمرانوں کی دور میں کوئی خرابی نہیں تھی، اگر مظالم تھے تو دیگر اماموں نے بشمول امام حسن علیہ السلام قیام کیوں نہیں کیا؟ یہ کچھ وہ بنیادی سوالات ہیں جن کا جواب جاننے کے بعد ہی ہم قیامِ امام حسینؑ کی وجہ اور مدعا کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس بات سے انکار نہیں کہ یزید کے دورِ حکومت میں شراب نوشی، بدکاری، فسق و فجور، ظلم و زیادتی، رشوت ستانی عام ہو چکی تھی، لیکن اس طرح کی خرابیاں تو دیگر حکمرانوں اور حکومتوں میں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسے میں خرابیوں کو دور کرنے کیلئے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور اصلاحِ امت کی ذمہ داری ہر ذی شعور مسلمان پر عائد ہوتی ہے، تاہم اس طرح سے تمام تر بے سروسامانی کے باوجود قیام شاید لازم نہیں آتا۔ یزیدی طرزِ زندگی اور طرزِ حکمرانی کی منفرد اور خاص بات یہ تھی کہ وہ محرمات کو حلال قرار دینے کے بعد اس کو قانونی شکل دینے پر بضد تھا۔ اپنے سب ناجائز اقدامات کو جائز بنا کر پیش کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سنتِ نبویؐ کو پائمال کیا جائے، ساتھ ہی اسے قانونی جواز اور تحفظ بھی فراہم کیا جائے۔ اُس کو معلوم تھا کہ عالم اسلام اگر چہ اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے خاموش رہیں گے لیکن اسکی سیاہ کرتوتوں کو کبھی جائز نہیں سمجھیں گے۔ اپنے تمام غیر شرعی اقدامات کو تحفظ دینے اور قانونی جواز فراہم کرنے کیلئے اس نے سوچا کہ خاندانِ رسالت کا نمائندہ امام حسینؑ اور اصحاب النبیؐ کے ان چیدہ چیدہ افراد کو اپنی بیعت پر مجبور کریں، جو کسی بھی طور اس کے ناجائز اقدامات کو تسلیم نہیں کرتے۔ اگر بامرمحال یہ فرض کر لیا جائے کہ شدید خوف اور دباؤ کے نتیجے میں یہ افراد یزید کی بیعت پر آمادہ ہو جاتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ یزید کے غیر اسلامی اقدامات جائز قرار پاتے، اور وہ اُن کی بیعت کو اپنے ناجائز اقدامات کی توثیق کیلئے استعمال کرتے ہوئے قانونی جواز فراہم کرتا۔ اس ضمن میں امام حسینؑ سے بیعت نہایت بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ اسی لئے تو یزید اس بیعت کیلئے کسی بھی حد تک جانے بلکہ ہر حد پار کرنے کو تیار تھا۔ جب یہ صورتحال سامنے تھی تو حسینؑ ابن علیؑ نے بھی انکار میں آخری حد تک جانے کا فیصلہ کیا۔ یزید کا خیال تھا کہ ایک فردِ واحد کا بیعت اس کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو ہٹا دے گا، لیکن معلوم نہیں تھا کہ حسینؑ کا انکار اس کی راہ میں صرف ایک رکاوٹ نہیں بلکہ ایک کوہِ گران تھا۔ وہ کوہِ گران جس کے نیچے یزیدیت ابد تک دبی رہے گی۔ اگر ہم اس پس منظر میں یزیدیت کا تعارف کرانا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ یزیدیت صرف شریعت کی خلاف ورزی ہی نہیں، بلکہ طاقت کے بل بوتے پر اپنے غیر شرعی اور ناجائز اقدامات کو قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشش میں احکام الٰہی اور سنتِ نبوی سے صریح بغاوت کا نام ہے۔ جب معاملہ اس حد کو پہنچے کہ کوئی ظالم حکمران شریعت مقدسہ کو شہید کر کے اس کو جائز قرار دینے کی کوشش کرے تو ایسے میں حسینؑ اور حسینیوں پر قیام لازم آتا ہے۔ اسی لئے اپنے خطبہ میں امامؑ فرماتے ہیں:

''میرا انقلاب اس لیے نہیں کہ خود کسی امتیاز کو پہنچوں، کوئی مال و دولت ہاتھ آئے۔ آج سے پوری دنیا یہ جان لے کہ میں امتِ جد کی اصلاح چاہتا ہوں، میں امر بالمعروف نہی عن المنکر چاہتا ہوں، میں سیرت پیغمبرؐ زندہ کرنا چاہتا ہوں، میں سیرت علیؑ زندہ کرنا چاہتا ہوں۔''
(اقتباس وصیت امام بحوالہ حماسہ حسینی)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج ہمارے معاشرے میں بھی ناجائز کاموں کو جائز بنانے کیلئے جواز اور دلائل نہیں تراشے جاتے؟ رشوت ستانی کو تحفہ کا نام دینا، اور اسے اپنے حق کی حصول کا آسان ذریعہ قرار دینا۔ کیا اس یزیدی کردار کی مثال نہیں؟ کیا ہمارے معاشرے میں ایسی مثالیں موجود نہیں کہ ہم ناجائز کاموں کو جواز فراہم کرنے کیلئے کسی عالم کی فتوٰی کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔ یا کم از کم اس بات کو یقینی بنا دیتے ہیں کہ کسی خاص معاشرتی برائی کے بارے میں منبر سے کچھ نہ کہا جائے، تاکہ اس کیلئے ایک قسم کی خاموش تائید حاصل ہو۔ کیا اس طرح کی اقدامات سے یزیدی سازشوں کی بو نہیں آتی؟ اگر ہم

دانستہ یا نادانستہ ناجائز کو جائز قرار دینے میں شریک ہیں تو ہم کیسے حسینی ہیں؟ ہمیں اصل حسینیؑ کردار سے بے خبر رکھنے کی ذمہ داری کس کی ہے؟ کہیں انہیں لوگوں میں کچھ افراد ایسے تو نہیں جن کے ذمے حسینیؑ کردار اور تعلیمات کو عام کرنا تھا، وہی اُن اصل کرداروں اور تعلیمات کو رسومات اور تحریفات کی دُھند میں چھپا رہے ہوں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کی طرف اشارہ کرنا فلسفۂ قیام کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے۔

امامؑ عالی مقام ایک اور مقام پر اپنے قیام کی وجوہات یوں بیان فرماتے ہیں ''کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جاتا؟ ان حالات میں ہر مؤمن کا فرض ہے کہ شہادت کیلئے تیار ہو جائے تاکہ لوگوں میں حق اور حقیقت کے ذریعے حیات کے بارے میں، امر بالمعروف کے بارے میں، نہی عن المنکر کے بارے میں اور اسلامی معاشرے کے مسائل کے بارے میں شعور پیدا ہو جائے'' (خطبہ امام حسینؑ بحوالہ حماسہ حسینیؑ)

''میں حج کے موقعے پر خانہ کعبہ کو چھوڑ کے جا رہا ہوں کیونکہ میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو حاکم شام کی طرف سے اپنے احراموں میں تلواریں چھپائے میرے قتل کیلئے جوق در جوق مکہ میں آ رہے ہیں، واللہ میں حسینؑ اپنے قتل سے نہیں ڈرتا، مگر اس لیے جا رہا ہوں کہ بیت اللہ میں میرے قتل سے خدا کے گھر کی حرمت پامال نہ ہو'' (امام حسینؑ ۔۔ مکہ میں آخری خطبہ)۔ کیا آج کے خودکش بمباروں کی مساجد میں حملے احراموں کے نیچے تلواریں چھپا کر کعبۃ اللہ میں آمد کی نقل نہیں؟

جب حالات اس طرح کے ہو جائیں تو سچے حسینیوں کا عزمِ قیام مولا حسینؑ کی طرح ہی راسخ ہوتا ہے۔ امام حسینؑ کے وارث میر سید علی ہمدانیؒ سلطان غیاث الدین کے نام اپنے ایک مکتوب میں قیام کے فلسفے کو یوں بیان فرماتے ہیں:

''سنت الٰہی یہی ہے کہ جو کوئی حق کہے، اظہار حق کیلئے کوشاں ہو، بہت سے لوگ اس کے دشمن جان ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر تمام روئے زمین شعلہ زن ہو جائے اور آسمان تلواروں کی بارش بھی کر دے تو بھی جو کچھ حق ہے وہ نہیں چھپاؤں گا اور وقتی مصلحتوں کی خاطر دنیا کے بدلے میں دین کو فروخت نہیں کروں گا۔''

اسی طرح رسالہ عقبات میں سید علی ہمدانیؒ تقویٰ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے عزیز! اللہ تعالیٰ کا حکم یوں ہے کہ: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔ (الحجرات۱۳) اللہ کے نزدیک تم میں بہترین وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

لیکن تم عزت و شرف کو زرین انگشتریوں، قیمتی کپڑوں، عمدہ گھوڑوں اور بدکردار نوکروں میں تلاش کرتے ہو، احکام حق کے نفاذ کے سلسلے میں فاسق حکام کے ساتھ دنیوی فائدے کی خاطر سمجھوتے کرتے ہو، اپنے نام پر پروانے بنواتے ہو، خواہشات اور شیطان کی باتیں فرقان الٰہی کے مقابلے میں زیادہ ضروری جانتے ہو اور خدا و رسول کے مقابلے میں تمہارے ہاں فاسقوں اور فاجروں کی زیادہ عزت ہے یہاں پر اگر تم ذرا نظر انصاف دوڑائے تو تمہارے اسلام و ایمان کا مرتبہ نظر آئے گا''۔

ہم کوفیوں اور شامیوں کے کردار کو تو کوستے ہیں کہ انہوں نے فاسق حکمرانوں کی تابعداری کو خدا و رسول کی اطاعت سے زیادہ اہم سمجھا، لیکن کیا ہمارا اپنا کردار ایسا نہیں کہ ہم بھی'' فاسق حکام کے ساتھ دنیوی فائدے کی خاطر سمجھوتے کرتے ہیں، اپنے نام پر پروانے بنواتے ہیں۔'' ہمیں تو ان فاسق حکمرانوں کے خلاف قیام کرنا تھا، لیکن ہم ان کے سامنے ایسے جھک جاتے ہیں کہ پھر سر اٹھانے کے قابل ہی نہیں رہتے۔ میر سید محمد نوربخشؒ اپنے ایک مکتوب میں بدبخت یزید اور اس کے باپ کو فاسقوں کا سردار قرار دیتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ میں دیکھتے ہیں تو سچے حسینیوں نے جابر اور فاسق حکمرانوں کی ظلم و ستم کے خلاف ہمیشہ قیام کیا۔ اور اس پاداش میں انہیں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑی۔ مشہور محدث امام نسائیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے جب یہ سنا کہ بنوامیہ کے حکمرانوں نے علیؑ اور آل علیؑ پر سب و شتم کرنے کو خطبے کا حصہ قرار دیا ہے تو امام نسائیؒ نے بطور محدث اپنا فرض منصبی جانا کہ وہ اہل شام کو وہ احادیث سنائیں جو علیؑ اور آل علیؑ کی شان میں ہیں۔ امام نسائیؒ دمشق کی جامع مسجد جا پہنچے۔ بطور محدث ان

کا استقبال ہوا۔لیکن جب امامؑ نے منبر پر چڑھ کر شانِ علیؑ میں موجود احادیث پڑھنا شروع کیا تو شامیوں سے برداشت نہیں ہوا۔ان کو مسجد کے اندر ہی اتنا مارا پیٹا کہ شہید ہو گئے۔سید علی ہمدانی کو تیموری حکومت کے خلاف قیام کی پاداش میں سات سو سادات کے ساتھ جلاوطن کر دیا گیا۔سید محمد نوربخشؒ کو مرزا شاہ رخ تیموری کی ظالمانہ حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے پر بیس سال سے زائد عرصہ قید و بند اور جلاوطنی کی تکالیف برداشت کرنی پڑی جس میں دو مرتبہ اندھے کنویں کی قید بھی شامل ہے۔کچھ تواریخ لکھتے ہیں کہ سید محمد نوربخشؒ کو رہائی کیلئے محافل ذکر اور اعتکاف نشینی سے باز آکر اپنے آپ کو صرف رسمی علوم تک محدود رکھنے، سیاہ عمامہ نہ پہننے، اور اپنے گرد ہجوم جمع نہ کرنے کی شرائط عائد کی تھیں۔محافل ذکر اور اعتکاف تزکیہ نفس کا مشن تھا، سیاہ عمامہ کو عزاداری امام حسینؑ کی علامت کو طور پر پہنتے تھے جو اس انقلابی پیغام کی نشانی تھی، اور ہر ظالمانہ اقدام پر تنقید کو قیام حسینی کی پیروی میں فرض منصبی سمجھتے تھے۔اسی طرح امام ابو حنیفہؒ نے حسینؑ ابن علیؑ کے جرأتِ انکار کو اپنایا اور عباسی دور میں قضاوت کے منصب کو ٹھکرا دیا جس پر انہیں ایک سو بیس کوڑوں کی سزا سنائی گئی۔کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے روزانہ دس کوڑے برداشت کیے اور تعداد پوری کی لیکن ظالم حکمرانوں کی پرکشش پیشکش کو ٹھکرا کر اپنے موقف پر قائم رہے۔آپؒ نے خلیفہ منصور کے خلاف نفس ذکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم کی علوی تحریک اور قیام کا بھی کھل کر ساتھ دیا۔امام خمینیؒ نے شہنشاہیت کے خلاف اپنے قیام میں سولہ سال جلاوطنی کی زندگی گزاری۔تاریخ اسلام میں قیام کی بے شمار مثالیں موجود ہیں جب مجاہدین اسلام نے مصائب و آلام کی پروا کیے بغیر ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف کلمۂ حق بلند کیا۔یہی وہ لوگ تھے جو درسِ امامؑ پر عمل پیرا تھے۔امام عالی مقام نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا ہے:

''جب تم میں سے کوئی بھی یہ دیکھے کہ معاشرے کی باگ دوڑ کسی ایسے کے ہاتھوں میں ہے جو لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے، اس کے دل میں لوگوں کی نسبت بغض و عداوات اور کینہ ہے، اسے لوگوں سے کوئی لگاؤ نہیں، اور لوگوں سے بالکل محبت نہیں کرتا اسے اس سے سروکار نہیں ہے کہ معاشرے کی مصلحت کیا ہے، بلکہ اسے اس سے مطلب ہے کہ وہ خود کیا چاہتا ہے اور اس کا فائدہ کس چیز میں ہے، جو بھی ایسے شخص کو برسرِ حکومت دیکھے اور اس کے خلاف قیام نہ کرے، بلکہ بُت بنا دیکھتا رہے تو خدا کو حق ہے کہ قیامت کے دن اسے بھی وہی سزا دے جو اس ظالم کی ہوگی''

(خطبہ امامؑ بحوالہ فلسفہ عزاداری از سید علی خامنہ ائی)

مولا علیؑ کا فرمان ہے کہ ''دنیا بدتر سے بدترین ہوتی جا رہی ہے، برے لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اچھے لوگوں کے خاموش رہنے کی وجہ سے'' اور امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: ''جہاں بھی کوئی قوم ظلم، جبر اور برائیوں پر خاموش رہے وہ جگہ کوفہ ہے اور وہ قوم کوفی ہے۔''

ظلم و جبر اور برائیوں پر خاموشی کوفیوں کا شیوہ ہے اور حسینیوں کا شیوہ ان کے خلاف آواز اٹھانا ہے، خواہ وہ میدان کربلا ہو، بازار کوفہ یا دربار شام۔یہی حق گوئی امارتِ یزیدی کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔

مسلک نوربخشیہ میں سید علی ہمدانی کا تحفہ دعائے صحیفہ کے یہ روح پرور الفاظ دعائے قیام کی حیثیت رکھتی ہیں:

''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا هَادِيْنَ وَ مَهْدِيِّيْنَ غَيْرَ ضَالِّيْنَ وَ لَا مُضِلِّيْنَ حَرْبًا لِّاَعْدَائِكَ وَ سِلْمًا لِّاَوْلِيَائِكَ☆ نُحِبُّ بِحُبِّكَ النَّاسَ وَ نُعَادِيْ بِعَدَاوَتِكَ مَنْ خَالَفَكَ مِنْ خَلْقِكَ☆ ''۔

(ترجمہ) پروردگارا! ہمیں ہدایت دینے والوں اور ہدایت یافتہ افراد میں شمار فرما! جو نہ بھٹکے ہوئے ہیں اور نہ ہی بھٹکانے والے ہیں، تاکہ ہم تیرے دشمنوں سے برسرپیکار رہ سکیں اور تیرے دوستوں سے دوستی کا حق ادا کر سکیں۔تاکہ ہم تیری محبت کی خاطر لوگوں سے محبت کرنے کا اور تیری خاطر تیری مخلوق میں تیرے احکام کی خلاف ورزی کرنے والوں سے دشمنی کا حق ادا کر سکیں'' (دعائے صحیفہ)۔(آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حسینیت

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

وقار حسین انصاری، سکردو

ماہ محرم الحرام کی آمد پر سوچا کہ حضرت امام حسینؑ کے موضوع پر تھوڑی سی گفتگو کروں۔ حضرت امام حسینؑ قیامت تک حق اور باطل کے درمیان تمیز کا نام ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور ان کے جانثار میدان کربلا کے حق و باطل کے معرکے میں شہید ہو گئے۔ مگر وہ دنیائے اسلام کی راہنمائی کے لئے اپنے خون سے ایک چراغ جلا گئے۔ اور قیامت تک مسلمانوں کو یہ درس عمل دیے گئے۔ کہ جب بھی حق و صداقت کی راہ سے ہمارے قدم ڈگمگا جائیں تو شہدائے کربلا کا سہارا لیں۔ جب کبھی دین اسلام کے دامن پر فسق و فجور کے سیاہ دھبے پڑ جائیں تو امام حسینؑ کی مثال کو سامنے رکھیں۔

جب مسلمانوں کے دل و دماغ پر ملوکیت و باطل مسلط کر دی جائے تو فاطمہؑ کے لال کے نقش قدم پر چل کر نجات حاصل کریں۔ اور جب اس خطہء ارضی پر فرعونیت و یزیدیت کا رواج ہو جائے تو اسوۂ حسینیؑ کو پیش نظر رکھ لیں۔ اور جب بھی خدا تعالیٰ کی مخلوق کی انسانی حقوق کو پامال کیا جائے تو حضرت شبیرؑ کے دامن کو تھام لیں۔

کیونکہ فاطمہؑ کے لال کی یہ عظیم قربانی جہاں ہمیں عزم و استقلال کا سبق، تسلیم و رضا کی تعلیم، ایثار و قربانی کی راہ اور سخاوت و عبادت کی حقیقت بتائے گی۔ ہمیں یہ تلقین بھی کرتی ہے کہ ہر فاسقانہ و فاجرانہ حکومت کا اعلانیہ مقابلہ کرو۔ اور کسی ایسی حکومت کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کرو جس کے احکام میں شریعت مصطفیٰ ﷺ اور قرآن مجید کی طرفداری نہ ہو۔ اور خطرناک سے خطرناک حالات میں کبھی کسی مصلحت وقت کا بہانہ بنا کر بزدلی کا سہارا لے کر خاموش رہنا گناہ ہے اور دین اسلام سے غداری ہے۔ کیونکہ ہم دن میں پانچ مرتبہ بارگاہ خداوندی میں دست بستہ کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں۔

اِھدِنا الصِّراطَ المُستَقِیم صِراطَ الَّذِینَ اَنعَمتَ عَلَیھِم...

ترجمہ: اے اللہ ہمیں اپنے انعام یافتہ لوگوں کا راستہ دکھلا اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اور وہ لوگ اور وہ نفوس قدسیہ جو انعام یافتہ ہیں وہ چار گروہ ہیں انبیاءؑ، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

تو جن انعام یافتہ لوگوں کی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے ہم بارگاہ رب العزت سے دن میں پانچ دفعہ التجاء کرتے ہیں۔ ان میں شہداء کا گروہ بھی ہے اور حضرت امام حسینؑ سید الشہداء ہیں۔ تو ہم شہداء کی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہیں لیکن عمل نہیں کرتے خود عمل کرنا چاہیے اور شہداء سے درس حاصل کرنا چاہیے۔

دنیا کو پیغام آفاقی دینا چاہتا ہوں لہذا آئیں جگر گوشہ بتولؑ کے لال کی سیدھی راہ پر چلیں ان کی تحریک کو زندہ رکھیں اور اپنے اندر وہی عزم و استقلال، وہی صبر و رضا، وہی جذبہ ایثار اور وہی طریقہ سخاوت و عبادت پیدا کریں۔ یہی اسوہ حسینیؑ ہے۔ یہی ان کی تعلیم ہے۔ اور یہی ان کا دیا ہوا درس عمل ہے۔ اور کیا ہم محرم کے دس دنوں میں آنسو بہا کر تعزیے نکال کر اور سینہ کوبی کر کے ان کے احسان عظیم کا بدلہ دے سکتے ہیں؟ اور کیا ہم ان کی غلامی کا صحیح حق ادا کر سکتے ہیں؟ اگر صحیح معنوں میں دل سے یہ چیزیں کریں اور اسوہ حسینیؑ پر عمل کرنے کی بھی کوشش کریں تو ہم صحیح معنوں میں محبت حسینؑ کے دعویدار ہیں۔ اگر ہمیں صحیح معنوں میں امام حسینؑ سے محبت ہے تو اُن کے خون کے ہر قطرے کی یہ آواز سنیں کہ:

(بقیہ صفحہ نمبر 7 پر)

☆☆☆☆☆

دامانِ خیال

عصر حاضر میں علمائے نوربخشیہ کی ذمہ داریاں

غلام حسن حسنو، ایم اے

یہ ابلاغ کا دور ہے ابلاغ سے مراد کسی چیز یا بات کا کسی دوسرے کو پہنچا دینا ہے صحافتی اصطلاح میں اپنی بات یا نقطۂ نظر کو دوسروں تک پہنچا دینا ہے۔ اسی عربی لفظ سے تبلیغ اور اس کے اشتقاقات اردو زبان میں بھی رواج پا گئے ہیں۔

ابلاغ کے جدید دور کا آغاز اگرچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہوا ہے آپ نے اس مقصد کے لئے متعدد طریقے اختیار کیے تھے۔ مثلاً آپ عرب کے مشہور میلے عکاظ میں تشریف لے جاتے اور وہیں اللہ کا پیغام شرکائے میلہ کو پہنچا دیتے تھے۔ کبھی قرآن پاک کی تلاوت فرماتے اور پیغام الٰہی دوسروں تک پہنچا دیتے کبھی خود وعظ و نصیحت فرماتے کبھی دار ارقم میں درس دیتے کبھی حج کے موقعوں پر بیرون مکہ سے آنے والے وفود سے ملتے اور ان میں تبلیغ فرماتے تھے ہجرت کے بعد آپ نے دو ہجری میں نماز جمعہ فرض ہونے پر ستون حنانہ سے ٹیک لگا کر خطبہ دینے کا سلسلہ شروع کیا بعد میں باقاعدہ منبر نصب ہونے پر اس پر چڑھ کر خطبہ کے سلسلے کو آگے بڑھایا پھر مختلف علاقوں میں وفود روانہ کئے جن کے ذریعے تبلیغ کو وسعت دی صلح حدیبیہ کے بعد مختلف فرمانرواؤں اور سرداروں کے نام خطوط ارسال کیے اور حضرت حسان بن ثابت انصاری اور دوسرے شعرا کے ذریعے شعر و ادب سے بھی تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام لیا غرض آپ نے نت نئے طریقوں اور ذریعوں سے ابلاغ و تبلیغ کو فروغ دیا۔

اگرچہ پہلے سے لکھنے کا رواج موجود تھا لیکن رسول اللہؐ نے ایسے اقدامات کیے جس کے نتیجے میں لکھائی پڑھائی کو فروغ ملا اور نہ صرف اسے فن کا درجہ ملا بلکہ وہ ایک پیشہ اور صنعت و حرفت کی حیثیت اختیار کر گیا۔ اور لوگوں میں تحریر اور تحریری کاموں میں بیحد دلچسپی اور اور لگاؤ پیدا ہوا یوں تحریر میں نت نئے طریقوں اور اسلوب کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

ابلاغ میں وقتاً فوقتاً انقلابی تبدیلیاں ہوتی رہیں یہ تبدیلیاں اب تک ہو رہی ہیں جس قدر ابلاغ میں تبدیلیاں اور انقلابی اقدامات ہوتے رہے ہیں شاید ہی کسی اور شعبے میں ہوئے ہوں۔ مثلاً پہلے ابلاغ کے لئے مندرجہ بالا طریقے مستعمل تھے۔ اب باقاعدہ کتب و رسائل لکھے جانے لگے۔ اس طرح تصنیف و تالیف کے شعبے میں زبردست ترقی ہوئی چھاپہ خانہ یعنی پرنٹنگ پریس کی ایجاد نے گویا اس میدان میں انقلاب برپا کیا پھر جب ریڈیو، گراموفون، ٹیپ ریکارڈ کا دور دورہ ہوا تو یار لوگوں نے اس کے ذریعے تبلیغ و ارشاد اور پروپیگنڈے کا سہارا لیا اور اب الیکٹرانک میڈیا کا دور ہے۔ اب ریڈیو، ٹیلی ویژن، وی سی آر، فلمیں، موبائل اور انٹرنیٹ پر ہر ٹیکنیک سے یہ کام لیا جا رہا ہے۔

ہمارے بزرگوں کے دور میں ابلاغ، تبلیغ اور ارشاد کے لئے وعظ و نصیحت، شخصی تبلیغی دورہ اور کتب و رسائل کی تصنیف و تالیف کے طریقے رائج تھے سو انہوں نے ان تمام طریقوں سے با حسن طریق استفادہ کیا۔ شیخ سری سقطیؒ، جنید بغدادیؒ، ابو النجیب سہروردیؒ اور امام احمد غزالیؒ بغداد میں وعظ فرمایا کرتے تھے اور ان کے وعظ و نصیحت کی محفل میں بغدادیوں کی بڑی تعداد شریک ہوتی تھی اور بغداد کا سب سے بڑا اجتماع یہیں ہوتا تھا۔ حضرت جنید بغدادیؒ، ابو النجیب سہروردیؒ، امام احمد غزالیؒ، نجم الدین کبریؒ، عبدالرحمن اسفرائنیؒ، علاؤ الدولہ سمنانیؒ، میر سید علی ہمدانیؒ اور میر سید محمد نوربخشؒ نہ صرف وعظ و نصیحت کی محفلیں برپا کرتے تھے۔ بلکہ تصنیف و تالیف میں بھی بھرپور حصہ لیتے تھے۔ یہ ان بزرگوں میں شامل ہیں جو کثیر التصانیف ہیں جنہوں نے درجنوں

بیسیوں نہیں بلکہ سینکڑوں کتب و رسائل لکھے۔ امتداد زمانہ کی تمام ترچیرہ دستیوں کے باوجود اب بھی ان کی تصانیف کی بڑی تعداد بالکل محفوظ ہیں۔ ساتھ ہی یہ لوگ تبلیغی دوروں پر عرب وعجم کے قریہ قریہ اور بستی بستی گھومتے غیر مسلموں کو مسلمان بناتے اور مسلمانوں کی اصلاح فرماتے تھے۔ کون نہیں جانتا کہ شاہ ہمدان نے صرف ایک تبلیغی دورے کے دوران کشمیر کے ۳۷ ہزار ہندوں کو حلقۂ اسلام میں داخل فرمایا تھا؟ کسے علم نہیں کہ میر شمس الدین عراقی کے ہاتھوں بیس بیس ہزار لوگ مسلمان ہوتے تھے اوران کے گردنوں سے اتارے جانے والے زناروں کا وزن تین من روزانہ تھا؟

اوپر ہم نے نوربخشی بزرگوں کی تصنیف وتالیف میں زبردست حصہ لینے کا ذکر کیا ہے ہمارے اسلاف بالخصوص سادات عظام کی سستی، مجرمانہ لاپرواہی اور نالائقی کی وجہ سے ان بزرگوں کی کتابوں، رسالوں اور علمی خزائن سے ہمارے گھر خالی اور ہم انہیں مطالعہ کرنے سے محروم ہیں۔ کچھ عرصہ قبل خوش قسمتی سے چند کتابیں میرے ہاتھ لگیں الحمد للہ ایک ایک کرکے اردو تراجم کے ساتھ میں انہیں قوم کے ہاتھوں میں پہنچا چکا ہوں بس اب چند کتب کی نشر واشاعت باقی ہیں وہ بھی انشاء اللہ جلد ہی قوم کے ہاتھوں میں ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے وہ خود ہمارے بزرگوں کی کتب ورسائل کو محفوظ رکھنے، انہیں نالائقوں کے دست برد سے بچانے، خزائن علم وادب سے نکالنے، دیانتدار علماء وفضلاء تک پہنچانے اور انہیں نشر واشاعت کے ذریعے پھیلانے کا خود بندوبست فرماتا ہے۔ میں یہاں چند مثالیں پیش کروں گا۔

۱۔ راولپنڈی/اسلام آباد میں اس وقت ہزاروں نوربخشی رہتے ہیں اور سینکڑوں گھرانے گھر بسا کر رہ رہے ہیں۔ شروع میں صرف مجھے اور سید محمد کاظمی سکساوی جوان دنوں علاقے کا ممبر بھی تھا اور انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کا صدر بھی، کو یہاں موجود نوربخشی کتب ورسائل کا علم تھا پھر بعد میں محترمی غلام حسن شگری اور ڈاکٹر غازی کو ہمارے ذریعے علم ہوا۔ آج یہاں کے دو اداروں کتابخانہ گنج بخش اور گولڑہ شریف میں ہزار سے زائد کتابیں بہترین ماحول میں محفوظ ہیں۔

۲۔ ہمارے ایک لاہوری دوست جناب محمد یعقوب براہوی ملکوں ملکوں کی خاک چھانتے اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیتے ہوئے اب سکینڈے نیویائی ملک سویڈن میں جا پہنچے ہیں۔ وہ وہیں بیٹھ کر دنیا بھر کی لائبریریوں اور اہل علم وفضل سے رابطے میں ہیں۔ وہ رابطہ کے لیے ایس ایم ایس، ٹیلی فون، ویڈیو لنکس اور خط کا سہارا لے رہے ہیں اور اب تک تقریباً چار ہزار سے زائد نوربخشی کتب ورسائل حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

میں ۹ فروری کی رات تقریباً ایک بجے کمپیوٹر پر تھا۔ وہ کمپیوٹر کے ایک پروگرام سکایپ پر آن لائن ہوا اور کہہ رہا تھا کہ بوا صاحب دنیا بھر میں ہماری کتابیں پھیلی ہوئی ہیں اور بڑی تعداد میں کتابیں مل رہی ہیں۔ حیرانی ہی حیرانی ہے میں نے جواب دیا بالکل درست فرماتے ہیں ہمارے مسلک میں ہر چیز میں حیرانی ہی حیرانی ہے۔ مجھ جیسے معذور شخص کا رات ایک بجے سویڈن میں بیٹھے ایک ہم مسلک سے رابطہ کرنا کیا حیرانی کی بات نہیں۔ جبکہ ہمارے سارے لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں؟ آپ جیسے عربی و فارسی سے نابلد نوجوان کا ہزاروں میل دور پہنچنا اور عربی و فارسی کتابیں حاصل کرنا حیران کن نہیں۔ جن کے نام سے بھی ہمارے جغادری قسم کے علماً بلکہ آپ خود بھی ناواقف ہیں؟ کل رات ہم نے ایک ایسے نوربخشی کے گھر گزاری جنہوں نے خاموشی کے ساتھ اتنا علمی کام کیا تھا کہ ہم نے مصنف کو کھڑا کیا پھر اس کی لکھی کتابوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتے چلے گئے تو اس کے قد سے بھی اونچی ہوگئی اور ہم نے اس کی فوٹوگرافی کی۔ کیا یہ بھی حیران کن نہیں؟ لیجئے فوٹو یہ کہہ کر ہم نے فوٹو ای میل کی۔ یعقوب بھائی کا کہنا تھا! ہاں ہاں آپ بالکل درست فرما رہے ہیں۔

ہم نے عصر حاضر میں علمائے نوربخشیہ کی ذمہ داریاں کا عنوان باندھا تھا لیکن ہم حیران ہو کر زیرو پوائنٹ پر پہنچ گئے ہیں۔ آیئے پھر بر سر مطلب چلتے ہیں۔ اوپر میں نے اپنے بزرگوں کی صرف

ابلاغ وتبلیغ میں کیے گئے چند اقدامات کا تذکرہ کیا ہے جنہیں انہوں نے زمانے اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے سلسلے میں اٹھائے تھے۔ان کی روشنی میں ہمارے علماء کو اپنی کارکردگی کی جانب ایک تنقیدی نظر ڈال لینی چاہیے اور جائزہ لینا چاہیے کہ دین و مسلک سے متعلق اب تک ان کی کارکردگی کا حدود اربعہ کیا ہے؟ عہد حاضر کے چیلنجز سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کی کارگزاری کیسی ہے؟ اللہ رب العزت نے انہیں جو صحت، عزت، شہرت، دولت، علم اور عمل دی ہے اور جن جن نعمتوں اور کامیابیوں سے نوازا ہے اور جو ذمہ داری عائد کی ہے کیا وہ ذمہ داریاں پوری کررہے ہیں؟

ندوۂ اسلامیہ کے پلیٹ فارم سے علامہ محمد بشیر (مرحوم) اور ان کے رفقائے کار نے جس اشاعتی سلسلے کی نیوڈالی تھی اس نے ''نوربخشیوں کے پاس کتاب نہیں'' کے طعنہ کو تو خاموش کرادیا ہے لیکن آج بزرگوں سے ملنے والے سرمایۂ میراث تقریباً چار ہزار کتب ورسائل کی اشاعت کے لئے تیاری کا مرحلہ آیا ہے۔ یعقوب صاحب کی کوششوں کی بدولت یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ حیدرروغلت اور مولوی خلیق احمد کی نوربخشی کتب جلاکر نابود کرنے کی تحریک ناکام ہوئی ہے۔اب بھی کشمیر اور بلتستان سمیت دنیا بھر میں ہر جگہ ہماری بکثرت کتابیں بہترین حالت میں محفوظ ہیں۔ اب ان کی اشاعت کے ذریعے ان کی ناکامی کو آشکار کرنے کا وقت آچکا ہے۔ یہ کام اگر آپ نہ کریں تو پھر کون کرے گا؟ جبکہ اشاعت کے لئے اشاعتی ادارے کی داغ بیل پڑ چکی ہے۔تحقیقی ادارے اور اس کے لوازمات کا بندوبست ہو چکا ہے۔ پرنٹنگ مشین متعلقہ ساز وسامان سمیت لگ گئی ہے اور سرمایے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔بس صرف نیک نیتی اور جذبے کے ساتھ کام کرنے کی دیر ہے۔

اٹھ کہ اب بزم جہان کا اور ہی انداز ہے
مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

آیئے آگے بڑھیئے دامے، درمے اور سخنے ہرگز نہیں بلکہ صرف اور صرف قلمے تعاون فرمائیے۔ہم وہ بدقسمت قوم ہے جس کو بری طرح بدنام کیا گیا، ہمیں ہمارے بزرگوں کی کتابوں اور تعلیمات سے محروم کیا گیا۔ ہمارے ذہنوں میں ادھر ادھر کی باتیں ایسی ڈال دی گئیں جن کی موجودگی میں ہم بزرگوں اور ان کی تعلیمات کو قبول کرنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ میں یہاں ایک مثال دینے پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی کتاب ذخیرۃ الملوک ایک شہرۂ آفاق کتاب ہے۔ یہ آپ کی تصانیف میں سب سے مقبول، سب سے ضخیم اور سب سے جامع کتاب ہے۔اس کتاب پر ایک ایرانی سید محمود انواری نے ڈاکٹریٹ اور آغا حسین ہمدانی (پاکستانی) اور آذرا کبرزادہ (ایرانی) نے ایم فل کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔اس کتاب کے عربی، اردو، پشتو، ترکی، جرمن، ڈچ، فرانسیسی اور انگریزی زبانوں میں متعدد ترجمے شائع ہوئے ہیں۔ ساری دنیا اس سے مستفید ہورہی ہے۔ ریسرچ لائبریری سری نگر میں اس کے ۲۶ اور کتابخانۂ گنج بخش اسلام آباد میں ۲۷ قلمی نسخے موجود ہیں۔ جبکہ شاہ ہمدان ڈیجیٹل لائبریری میں اب تک قلمی، چھاپی، پی ڈی ایف ۲۷۲ نسخے جمع ہو چکے ہیں۔ جبکہ مزید نسخوں کا کھوج لگانے اور حاصل کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ عالمی سطح پر اس کتاب کو بے حد اہمیت دی جا رہی ہے۔ سال ۲۰۱۴ کو اقوام متحدہ کے ادارے یونیسکو نے شاہ ہمدان کے سات سو سالہ سال ولادت کی حیثیت سے منانے کا اعلان کیا۔ پاکستان، انڈیا، تاجکستان اور ایران میں کئی تقریبات منعقد ہوئیں۔ دو ایرانی پروفیسروں نے بڑھتی ہوئی عالمی دہشت گردی اور بدامنی کے دفعیہ کے لئے یہ تجویز پیش کی کہ تمام مسلم فرقے اس کتاب پر عمل کریں تو بحسن وخوبی امن قائم ہوسکتا ہے۔اس کتاب میں وسیع تر اسلامی اتحاد کے امکانات موجود ہیں۔ اس کتاب کے اردو میں تین الگ الگ ترجمے کئی کئی بار شائع ہو چکے ہیں۔اس قدر اہم کتاب ہمیں محض خلفائے ثلاثہ کا نام مندرج ہونے کی بناء پر قبول نہیں۔ حالانکہ ہمارے بزرگوں کی تقریباً تمام کتابوں میں ان کی تعریف موجود ہے۔ جبکہ ان کی مذمت میں آج تک ان کی کوئی تحریر نظر نہیں آئی۔ پرائے فرقوں کے پروپیگنڈے پر ہم عامل ہیں۔ اپنے باکرامت بزرگوں کے کتب و رسائل میں مندرج

تعلیمات پر نہیں جس کی شامت میں اس قدر اہم کتاب سے ہم محروم ہیں اور ایک منظم سازش کے تحت ہمیں اس عظیم کتاب سے محروم کر دیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جب ۱۹۴۲ء میں سید قاسم شاہ کھرکوی نے کتاب نوربخشیہ نامی فارسی زبان میں لکھی اور اس کا مصنف کتاب کے اندر سید محمد نوربخش اور جلد پر خود کو قرار دیا اس میں لکھا کہ: ''میر سید علی ہمدانی نے ذخیرۃ الملوک لکھی تھی پھر وہ شاہ سید محمد نوربخش کے ہاتھ پر نوربخشی ہوئے تو ۸۲۶ھ میں ذخیرۃ الملوک کی رد میں کتاب المودۃ القربی لکھی۔''

کتنا سفید جھوٹ ہے؟ شاہ ہمدان ۷۸۶ میں انتقال کر گئے تھے۔ جبکہ نوربخش ۹ سال بعد ۷۹۵ میں پیدا ہوئے اور اس کے ۲۶ سال بعد یعنی شاہ ہمدان کی وفات کے ۳۵ سال بعد تحریک نوربخشیہ شروع ہوئی۔ برسوں پہلے وفات پانے والا ایک ایسے شخص پر کیونکر ایمان لا سکتا، اپنا مسلک تبدیل اور اپنی کتاب منسوخ کر سکتا ہے جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا؟

یہاں میں نے ایک مثال دی ہے یہی حال ہماری دوسری کتابوں کا ہے۔ پرایے فرقوں کے پروپیگنڈے میں ہم اس قدر بھٹک گئے ہیں اور باکرامت اولیائے کرام کی کتب ورسائل سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ ہمارے گھر ہمارے بزرگوں کی کتابوں سے خالی ہیں۔ جبکہ دوسری اقوام انہیں اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے ان سے مستفید ہو رہی۔ ہیں مثلاً حضرت شیخ عمار یاسر بدلیسی کے نام کے سوا کسی تصنیف کا ہمارے لوگوں کو علم نہیں۔ ان کی کتاب بہجۃ الاسرار اور صوم القلب جرمن، ڈچ اور فرانسیسی میں ترجمہ ہو کر کئی کئی بار شائع ہوئی ہیں۔ اسی طرح شیخ نجم الدین کبریٰ کی کتاب فواتح الجلال فارسی، جرمن، ڈچ اور فرانسیسی میں ترجمہ ہو کر کئی کئی بار شائع ہوئی ہے اور یہ ہر جگہ دستیاب ہے۔ اگر کوئی محروم ہیں تو وہ صرف ہم ہیں۔

فاعتبروا یا اولوالابصار۔ دیکھو ذرا جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔

یہ لوگ ان سے استفادہ کر کے کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں اور ہم ان کے سچے اور اصل وارث ہوتے ہوئے بھی ان سے محروم! اسی لئے تو اقبال کو کہنا پڑا تھا: ''گرفتہ چینیاں احرام مسلمان خفتہ در بطحا'' اندریں حالات ہمارے سامنے یہ چند راستے رہ جاتے ہیں:

۱۔ اول یہ کہ ہم پروپیگنڈوں کو مسترد کریں اور بزرگوں کی اصل تعلیمات کی طرف لوٹ آئیں۔

۲۔ دوم یہ کہ پروپیگنڈے ہی میں بھٹکتے چلے جائیں اور بزرگوں کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہ رکھیں۔

۳۔ سوم یہ کہ پروپیگنڈوں پر بھی یقین کریں اور بزرگوں کی تعلیمات کو بھی مانیں کام اپنی مرضی سے کرتے رہیں۔

۴۔ چہارم یہ کہ ان پروپیگنڈوں کو گلے سے لگائیں اور بزرگوں کی کتابوں میں حسب خواہش ترمیم و اضافہ کریں۔

۵۔ پنجم یہ کہ چند منتخب لوگوں کو ماڈل بنائیں علمی، عرفانی میدان میں ان کی خواہ کچھ بھی حیثیت ہو وہ جو کہیں اس پر عمل کریں۔

ان کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ ان میں آسان ترین، عقل و خرد اور دین و اخلاق کے عین مطابق اور دونوں جہانوں میں یقینی کامیابی و کامرانی کا موجب وضامن راستہ پہلا راستہ ہے۔ باقی سب تباہی و بربادی اور دونوں جہانوں میں رسوائی کے راستے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم اس وقت انہی پر عمل پیرا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری ریاضتوں اور مجاہدوں کا نتیجہ کچھ بھی برآمد نہیں ہوتا۔ نہ ہی مستقبل میں بہتر نتیجہ کی توقع رکھی جا سکتی ہے۔ حالانکہ نوافل ادا کرنے، صدقہ خیرات دینے، ذکر، تسبیح اور درود شریف کا ورد کرنے، وظائف پڑھنے، جرائم سے بچنے اور نیکیوں میں سبقت لے جانے میں مسلم فرقوں میں سے کوئی بھی ہمارا حریف نہیں۔ اس کے باوجود ہماری اجتماعی روحانی ترقی رکی ہوئی ہے۔ اور ہم اطوار سبعۂ مختلفہ اور انوار متنوعۂ غیبیہ میں مسلسل جمود کا شکار ہیں۔ جبکہ تجلیات ربانی اور کشف و شہود میں بھی ہم ابتدائی مرحلے میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اس لئے ہماری دعوت ہے کہ آیئے پرایے پروپیگنڈوں کو انہی کے منہ پر دے ماریں۔ ہمارے باکرامت اولیائے کرام کے کتب و رسائل پر کھلے دل سے عمل کریں۔ اسی میں ہم سب کا بھلا ہے۔

سفرنامہ

سفر حج کے تجربات و مشاہدات

(گزشتہ سے پیوستہ)

غلام حسن حسنو، ایم اے

ہم صبح کی نماز اپنی رہائشی ہوٹل کے بیسمنٹ پر موجود ہال میں باجماعت پڑھتے۔ اس ہوٹل میں تین گروپ کے بیس بائیس نوربخشی رہائش پذیر تھے۔ امامت کا فریضہ زیادہ تر سید اکبر علی صاحب سرانجام دیتے اور باقی چار نمازیں حرم ہی میں پڑھتے۔ رات ہوٹل ہی پر گزارتے تھے۔ ۱۰ اکتوبر کو ۱۱ بجے دوپہر ہم حرم پہنچے ہم یہ فیصلہ کر کے گئے تھے کہ آج سارا دن اور ساری رات حرم ہی میں گزاریں گے۔ چنانچہ وہیں رہے۔ عشائیہ حرم سے باہر آ کر ایک پاکستانی ہوٹل سے لا کر کھایا پھر برقی زینوں کے ذریعے حرم کی چھت پر چڑھ گئے۔ اللہ اللہ رات کو حرم شریف کی فضا نہایت سہانی تھی۔ نچلی منزل کا وسیع و عریض مطاف، حال ہی میں تعمیر شدہ معلق مطاف کے علاوہ لاکھوں لوگ حرم کی چھت پر طواف میں مصروف تھے۔ جبکہ ہزاروں نفلی عبادات، تلاوت اور دعاؤں میں جتے ہوئے تھے۔ رات کے وقت موسم نہایت پر لطف، معمولی خنکی، حرم کی خوشبوؤں سے ماحول معطر۔ ہمیں افسوس ہوا کہ یہاں پہنچتے ہی ادھر رہنا چاہیے تھا۔ چنانچہ ۱۲ اکتوبر سے ۱۲ نومبر تک مناسک حج کے بعد ہم نے اکثر راتیں حرم کی چھت پر مصروف عبادت رہ کر گزاریں۔

قارئین بھی ہمارے تجربے سے فائدہ اٹھائیں۔ ہوٹل کی بجائے زیادہ سے زیادہ وقت حرم پاک میں گزاریں۔ کیونکہ بار بار وہاں جانے کا موقع ہر کسی کو نہیں ملا کرتا۔ یہ ۱۲ اکتوبر ہے کل یوم عرفہ ہے حج بیت اللہ کل سے شروع ہونے والا ہے۔ مختلف ذریعوں کی جانب سے اطلاع ہے کہ آج شام سے ہی منیٰ روانگی ہونے والی ہے۔ جبکہ اصل مناسک حج کا آغاز کل یعنی ۸ ذوالحجہ کی صبح حج کی نیت کرنے اور از سر نو احرام باندھنے کے ساتھ ہوتا ہے۔ زائرین حرم صبح سویرے بلکہ رات گئے ہی منیٰ پہنچنا شروع ہو جاتے ہیں اور منیٰ پہنچنے کے بعد وہیں قیام کرنا ہوتا ہے اور منیٰ میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کر کے اگلے دن صبح وقوف عرفات کے لئے جانا ہوتا ہے۔ سعودیہ پہنچنے سے واپسی تک رہائش اور ٹرانسپورٹ کا ذمہ دار معلم ہوتا ہے۔ بنک میں جمع کی جانے والی رقم میں اس کی تمام فیس اور اخراجات شامل ہوتے ہیں۔ پہلے حاجیوں کو حرم سے منیٰ، مزدلفہ اور عرفات پہنچانا اور واپس لانا بھی اس کی ذمہ داری تھی۔ مگر اب منیٰ سے مزدلفہ اور عرفات سرکاری ٹرین چلتی ہے۔ اس لئے فی الحال منیٰ لے جانے اور لے آنے کا انتظام معلم ہی کرتا ہے۔ لیکن مستقبل میں حرم سے منیٰ تک بھی ریلوے ٹریک بچھ جائے گی اور یہ ذمہ داری بھی حکومت لے لے گی۔ اس لئے ہر کام تسلی سے کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری اپنی ذمہ داری، حکومتی ذمہ داری اور معلم کی ذمہ داریوں کو سمجھے اور ان کے مطابق ہر کام کرے لے تو آسانی رہتی ہے۔ بصورت دیگر طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ ہمارے گروپ میں ایک شخص انتہائی عجلت پسند تھا جبکہ ہم ذرا سست واقع ہوئے ہیں اور ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانے کے عادی۔ ہمارا وہی ساتھی ۱۲ اکتوبر کی شام سے بار بار منیٰ چلنے پر اصرار کرتا رہا جبکہ میں اور مولانا سید اکبر علی نے معلم کی جانب سے بس آنے کا انتظار کرنے پر زور دیتے ہوئے نماز صبح تک کا وقت گزار لیا تھا۔ جبکہ ان کی نماز بھی افراتفری اور جلد بازی کی نذر ہوئی۔ بہر حال ہماری ایک نہ سنتے ہوئے پہلی بس میں جا بیٹھے ہم دونوں اور دوسرے لوگ تیسری بس میں وہ ہم سے آدھا گھنٹہ پہلے منیٰ روانہ ہوئے لیکن حیرت کی بات یہ ہوئی کہ ہم منیٰ اپنے خیمے میں پہنچ جانے کے ایک گھنٹہ بعد بمشکل وہاں پہنچ سکے۔ اسی طرح اگلی صبح عرفات جاتے وقت وہی عجلت پسند اور ان کے کچھ ساتھی تقریباً دوڑتے ہوئے ہم سے آگے نکل کر ہم سے بچھڑ گئے۔ جبکہ ہم محترم حاجی غلام حسین سلمہٗ کے ساتھ رہے جو سعودیہ ہی میں مقیم ہیں۔ جنہوں نے اپنی اہلیہ کو ہم میاں بیوی پر اعتماد کرتے ہوئے ہمارے قافلے میں رکھا تھا اور وہ

ہمارے ساتھ جیلو سے وہاں پہنچی تھی اور حاجی صاحب خود بھی ریاض سے حج کرنے آئے تھے، ہم انہی کے ساتھ رہے۔ چنانچہ ہم ٹرین کے ذریعے دس بارہ منٹ میں عرفات اپنے لئے مخصوص جگہ پہنچ گئے اور ہمارا عجلت پسند ساتھی اور ان کا قافلہ تین گھنٹے بعد ہانپتے اور پسینے میں شرابور وہاں پہنچے جو منٰی سے پیدل آئے تھے۔

عازمین حرمین شریفین سے گزارش ہے کہ ہزاروں لاکھوں رقم خرچ کرکے سینکڑوں دنیوی آرزوں کا گلا گھونٹ کر وہاں پہنچتے ہیں۔ وہاں زمام کار ہمارے اختیار میں نہیں ہوتے۔ ایسی حالت میں ان مقامات پر عجلت اور جلد بازی سے کام نہ لیں تسلی اور تشفی سے کام کریں، سکون اور اطمینان سے ہر معاملے کو نمٹائیں اور اپنی ذمہ داریوں کا ادراک کریں اسی میں بہتری ہے۔

۱۳ اکتوبر کو صبح تقریباً ۸ بجے ہم منٰی پہنچ گئے تھے۔ چند دن پہلے آکر ہم نے ان علاقوں کو دیکھا بھالا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔ اب یہاں وسیع و عریض خیموں کا شہر وجود میں آچکا تھا۔ یہ خیمے خیموں کی چوٹی اور ہیئت کے لحاظ سے ہیں ورنہ ان میں خیموں جیسے چوبی کھمبے، ڈنڈے، پردے اور طنابیں موجود ہی نہیں تھیں۔ جس خیمے میں ہماری رہائش کا انتظام تھا وہ بہت بڑا اور ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ جس میں تقریباً دو اڑھائی سو حاجی تھے۔ ہمیں یہ دیکھ کر سخت افسوس ہوا کہ اس لق و دق صحرا میں قائم ایئر کنڈیشنڈ خیموں میں مقیم حاجیوں کا کوئی مشغلہ نہیں۔ چند ایک تو نماز جماعت میں شامل ہوتے جبکہ اکثریت انفرادی طور نماز پڑھتے تھے اور چند ایک بوڑھے اور ناتوان حاجی ہاتھوں میں تسبیح لے کر ورد وظیفہ کرتے۔ جبکہ باقی سب گپیں ہانکنے، موبائل سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور سونے میں مگن رہتے تھے۔ چنانچہ محترم سید اکبر علی نے اپنے سابقہ تجربے کو آزماتے ہوئے خیمے کے مختلف حصوں کو ادھر ادھر سے کھینچ کھانچ کر ہمارے نوربخشی حجاج کے لئے الگ حجرہ سا بنا لیا۔ جس میں ہم پانچ وقت کی نمازیں باجماعت پڑھتے اوراد خوانی اور تلاوت کرتے اور سب تسبیح و تہلیل اور نوافل میں مصروف رہتے۔ خواتین کے لئے الگ خیمہ تھا۔ کیونکہ ہماری اہلیہ وہیں ہوتی تھی اس لئے کئی دفعہ مختلف کاموں سے وہاں جانا پڑتا تھا۔ وہاں ہماری خواتین مذکورہ مصروفیات میں ہر وقت مگن ہوتیں۔ جبکہ دوسری عورتیں محو خواب یا قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان میں گپ شپ میں مصروف۔ اس بے حد اہم اور مبارک دن دوسروں کو غفلت اور نوربخشیوں کو مصروف پاکر ہمیں مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی قدر و قیمت اور اس کے مشاغل و مصروفیات کی ضرورت و اہمیت کا حقیقی معنوں میں احساس ہوا۔ اور ہم بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ سلسلہ نہ صرف یوم عرفہ ۸ ذوالحجہ کو بلکہ ۱۰ سے ۱۲ ذوالحجہ یعنی یوم عید الاضحٰی اور ایام تشریق اور ادائے حج سے واپسی تک جاری رہا۔

یہاں اس خیمے میں صرف ہم نوربخشی عازمین حج مقیم تھے۔ ہمارے مشاغل ایک بہاولپوری بڑے میاں کو حد سے زیادہ پسند آئے چنانچہ وہ آکر ہمارے درمیان بیٹھ گیا۔ ہمارے ایک ساتھی ابو محمد مجلوی نے انہیں باہر نکال دینے کا مشورہ دیا۔ میں نے اس سے اختلاف کیا اور دوسرے ساتھیوں نے بھی میری تائید کی وہ پانچ دن تک ہمارے ساتھ رہا اور اوراد نماز اور دیگر اشغال میں ہمارے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ وہ اکیلا تھا اور ریٹائرڈ سرکاری ملازم بتاتا تھا۔ نہایت کمزور تھا مزدلفہ سے کنکریاں بھی لے کر نہیں آیا تھا۔ ۱۰ ذوالحجہ کو رمی بھی نہیں کی تھی۔ طواف زیارت کے لئے حرم شریف بھی نہیں گیا تھا۔ میں نے ازراہ ہمدردی ایک قریبی ٹیلے پر جاکر کنکریاں لا کر دیں اور یہ بھی کہا کہ رمی کرنے کے لئے آپ کا جانا ضروری نہیں کسی اور کے ذریعے رمی کی جا سکتی ہے۔ خوش قسمتی سے وہاں سے واپسی سے ایک گھنٹہ قبل ہمیں ایک بہاولپوری ملا ہم نے رمی، طواف، حلق وغیرہ نہ کرنے کے بارے میں انہیں بتایا۔ ان کی مدد کی درخواست کرتے ہوئے ان کے حوالے کر آیا تھا۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ وہ وہیں فوت ہوا ہوگا زندہ واپس ملک آنے کے قابل نہیں تھا۔

عازمین حج سے بھی ہم گزارش کریں گے کہ وہ بھی نہ صرف ان دنوں میں بلکہ عام زندگی میں بھی اوراد و اذکار، تلاوت قرآن پاک اور تسبیح و تہلیل کو اپنی زندگی کے مشاغل کا حصہ اور جزو بنائیں۔ اگرچہ منٰی اور عرفات میں یونہی بیٹھے رہنے سے بھی حج تو ادا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تو محض خانہ پری سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اصل چیز ان دنوں خلوص نیت کے ساتھ ان اوقات کے فیوض و برکات کو سمیٹنا اور مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہے۔ نیز یہ بھی گزارش ہے کہ

جونہی اللہ تعالیٰ وسائل مہیا فرمائے ادائے حج میں تاخیر ہرگز نہ کریں۔ کمزور یا بیمار ہو تو خود جانے کی بجائے کسی کو حج بدل پر بھیج دیں۔

۱۴ اکتوبر کو وقوف عرفات جسے حج اکبر بھی کہا جاتا ہے، تھا ہمارے خیمے سے ہی نہایت خوبصورت ٹرین کو آتے جاتے ہم دیکھتے رہے تھے۔ نماز عصر کے بعد سات دن کے لئے ٹرین کا ٹکٹ کنگن کی طرح ہمارے کلائیوں پر مشین کے ذریعے فٹ کر دیا تھا۔ ہم نے محترم غلام حسین کھرکوی سے پوچھا ان کا کہنا تھا کہ یہ ٹرین منیٰ کے آخری سرے سے عرفات تک جاتی ہے اور ہماری خوش قسمتی اسی سال سے سروس شروع ہوئی ہے یہ اسی کا ٹکٹ ہے۔ سورج نکلتے ہی معلم کے نمائندوں نے عرفات چلنے کا اعلان کیا۔ چنانچہ ہم نے ضروری سامان ہاتھوں میں لیا اور باقی خیموں میں چھوڑ کر نکل پڑے۔ ہم غلام حسین صاحب کے ساتھ رہے۔ چنانچہ دس منٹ کے اندر ٹرین میں پہنچ گئے اور دس منٹ میں ہی عرفات۔ اللہ! اللہ! اس لق ودق صحرا میں ائرکنڈیشنڈ ٹرین! فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ۔ خوش قسمتی سے عرفات میں ہمارا خیمہ مسجد نمرہ کے پاس ہی موجود تھا اور یہ خیمہ بھی ایئر کنڈیشنڈ تھا۔ ساتھ والا خیمہ خواتین کے لئے مختص تھا ہم نے اپنی خواتین کو وہیں منتقل کیا۔

میدان عرفات اب چٹیل میدان نہیں رہا بلکہ بادام کا باغ بن گیا ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہایت شاندار طریقے سے شجر کاری کی گئی ہے۔ جبکہ زیر زمین پانی ٹیوب ویلوں کے ذریعے عرفات کے چاروں طرف موجود ٹیلوں کے اوپر بنے دیوہیکل واٹر ٹینکوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ وہیں سے پلاسٹک کے پائپوں کے ذریعے ان پودوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ سارے پودے پاکستان سے لا کر لگائے گئے ہیں اور نہایت کامیابی سے پھل پھول رہے ہیں۔ ابھی یہ چھوٹے ہیں مستقبل میں سعودی عرب بادام پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک بن جائے گا اور میدان عرفات بادام کا سب سے بڑا عالمی باغ۔

بہر حال ہم حاجی غلام حسین کی راہنمائی میں بیس منٹ میں آرام سے یہاں پہنچ گئے۔ لیکن ہمارے بچھڑے ہوئے ساتھی ٹرین کی بجائے پیدل ہی چلے تھے۔ وہ تین گھنٹے بعد یہاں پہنچے۔ سفر کی تھکن، گرمی کی شدت اور گرد و غبار سے ان کا برا حال تھا۔ یہاں کا ماحول بھی منیٰ سے مختلف نہ تھا۔ حاجی صاحبان بس وقت گزار رہے تھے۔ کوئی مصروفیت نہیں تھی۔ اس لئے زیادہ تر گپ شپ کرنے، خیموں سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے پھرنے، موبائل سے چھیڑ چھاڑ کرنے اور مخیّر حضرات سے مختلف اشیاء حاصل کرنے میں وقت کاٹ رہے تھے۔ جبکہ ہمارے مسلک کے تمام افراد تسبیح و تہلیل پڑھنے، ورد و وظیفہ کرنے اور دعائیں مانگنے میں مصروف تھے۔ یہ ماحول دیکھ کر ہمیں اپنے اس پاک مسلک کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوا اور دل کی گہرائیوں سے اللہ کا شکر ادا کیا۔

عرفات میں دو اہم کام خطبۂ حج کا سننا اور وقت عصر سے غروب آفتاب تک دعائیں مانگنا ہے۔ یہ خطبہ امام حج مسجد نمرہ میں دیتا ہے اور جدید ترین ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے دور دور تک سنی جا سکتی ہے جس میں احکام حج کے علاوہ عصر حاضر کے مسلمانوں کو درپیش مسائل اور ان کا حل پیش کیا جاتا ہے۔ عصر سے غروب آفتاب تک کی دعائیں انتہائی مؤثر اور دلگداز ہوتی ہیں۔ یہ دعائیں خیموں کی بھیڑ بھاڑ اور گپ شپ کے شور و غل میں ممکن نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے وسیع و عریض خیمے کے باہر ایک تکیہ کی جگہ ڈھونڈ نکالا جہاں قبلہ رخ کھڑے کھڑے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچایا۔ ایسا روح پرور جذب و مستی میں ڈوبا ہوا موقع ۵۸ سالہ زندگی میں آج تک نہیں آیا۔ ہم عازمین حج سے گزارش کریں گے وہ بھی ہمارے تجربات سے فائدہ اٹھائیں اور ان نہایت قیمتی بلکہ انمول اوقات کو بہتر طریقے سے گزاریں۔

۱۵ اکتوبر کو نماز فجر مزدلفہ میں پڑھی۔ حاجی صاحب نے ایک چائے والے سے چائے لی۔ بسکٹ کا ایک بڑا پیکٹ رات کو کوئی نامعلوم شخص ہمیں دے گیا تھا۔ ناشتہ کے بعد اب ہمارے لئے دو میں سے ایک کام کرنا تھا یا تو منیٰ خیمے پر جائیں پھر جمرات یا سیدھا جمرات جا کر جمرۃ العظمیٰ کی رمی کرنا۔ حاجی صاحب نے مشورہ دیا کہ خیمے پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہم نے مزدلفہ ہی سے رات کو کنکریاں چن لی تھیں۔ چنانچہ جسے لے کر بذریعہ ٹرین جمرات گیا اور رمی کی۔ پھر وہیں سے پیدل ہی بیت اللہ کی جانب چل پڑا۔ بدقسمتی سے کل شام

کے وقت عرفات سے چلتے وقت ہمارا قافلہ پھر دو تین دھڑوں میں بٹ گیا تھا۔ہم حاجی صاحب سمیت ۶ نفر ساتھ تھے باقی لوگوں سے موبائل پر رابطہ ہوتا تھا۔مگر ۳۰/۳۵ لاکھ کے کعبے کی جانب رواں دواں ہجوم میں تلاش سعئ لا حاصل ۔اس لئے ہم رمی کے بعد بیت اللہ کی جانب چل پڑے۔آج اور کل کے لئے مکہ میں ٹریفک مکمل بند ہے۔صرف پولیس اور فائر بریگیٹ کی گاڑیاں ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لئے تیار ہیں اور آرمی کے ہیلی کاپٹرز فضائی نگرانی میں مصروف ہیں۔

مزدلفہ سے حرم شریف کا فاصلہ چھ میل ہے۔آج لوگوں کا سمندر مزدلفہ سے کعبہ شریف کی جانب بڑھ رہا ہے۔رمی کے بعد سے تلبیہ کا سلسلہ تو بند ہے لیکن آج عیدالاضحیٰ ہے۔اس مناسبت سے تکبیر کا غلغلہ ہے اور سارے لوگ احرام میں ملبوس ہیں۔آج وہ حج اکبر کی تکمیل کے بعد پہلی بار کعبہ کی زیارت کے لئے جا رہے ہیں۔اس لئے ان کا جذب اور ان کا شوق دیدنی ہے۔حرم شریف پہنچتے ہی وہ کعبہ شریف کا والہانہ نہیں بلکہ دیوانہ وار طواف میں لگ جاتے ہیں۔پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی پھر ہم نوربخشیوں کے لئے طواف النساء کے لئے الگ طواف ۔پھر منیٰ پیدل واپسی۔

میں نے حساب لگایا ہے منیٰ سے حرم شریف کا فاصلہ آنا جانا پانچ میل، طواف زیارت بمع سعی تقریباً چھ میل اور طواف النساء صرف طواف چار میل ہے۔یوں کل پندرہ میل کی مسافت بنتی ہے۔ یہ مسافت طے کر کے ہم نماز عصر کے بعد پھر منیٰ اپنے خیمے میں پہنچ گئے ۔اتنی مسافت طے کرنے میں ہمارے اسلام آباد میں صبح و شام تین چار میل پیدل واک سے ہمیں بے حد فائدہ پہنچایا۔

آج ۱۷ اکتوبر اور ۱۲ ذوالحجہ ہے آج زوال آفتاب کے بعد رمی کے سوا اور کوئی مناسک حج نہیں۔کل ایام تشریق کا آخری دن یعنی ۱۳ ذوالحجہ ہے۔اس لئے کل کی رمی آج کر کے مکہ جا سکتے ہیں۔ اس لئے سب ساتھیوں نے باہمی مشاورت سے طے کیا کہ آج سہ پہر دونوں دنوں کی رمی کریں گے اور شام سے پہلے پہلے یہاں واپس عزیزیہ جائیں گے ادھر یہ بھی طے پایا کہ اگرچہ ٹرین کی تین دنوں کا ٹکٹ باقی موجود ہے۔لیکن عزیزیہ جانے کے بعد منیٰ آنا جانا اپنے انتظام سے ہوگا۔اس لئے کیوں نہ آج ہی ٹرین کے ذریعے عرفات جائیں اور وہاں جبل رحمت وغیرہ کی زیارت کر کے واپس آئیں۔ مولانا سید اکبر صاحب کی قیادت میں ہم تمام نوربخشی عازمین حج منیٰ سے روانہ ہوئے۔بدقسمتی سے ٹرین میں ہم کچھ سوار ہوئے تھے جبکہ کچھ راستے میں تھے ٹرین چل پڑی اس طرح حاجی صاحب کی قیادت میں ہم پہلے عرفات پہنچ گئے بڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد باقی لوگ بھی پہنچ گئے۔چنانچہ ہم سیدھے جبل رحمت پر چڑھ گئے۔جو تقریباً میدان عرفات کے بیچ میں واقع ہے۔ساتھ ہی مسجد نمرہ بھی ہے۔حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے خطبۂ حج اسی جبل رحمت سے دیا تھا۔ جسے بجا طور پر عالمی انسانی منشور قرار دیا جاتا ہے۔ جہاں کھڑے ہو کر آپ نے خطبہ دیا تھا۔اسی جگہ تقریباً ۲۰ فٹ اونچا سفید ستون اسی کی یاد میں نصب ہے۔ہم نے یہاں نفلیں پڑیں اور خوب دعائیں مانگیں۔ حجۃ الوداع اور خطبۂ رسول کو مراقبے میں چشم تصور میں لا کر کچھ دیر کے لئے ہم دنیا و مافیہا سے بے خبر بھی ہو گئے۔

ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی دو دن پہلے یہاں دنیا کے کونے کونے سے آئے لوگ وقوف عرفات کے لئے جمع تھے۔آج جبل رحمت اور اس کے اردگرد صرف برصغیر یعنی پاکستانی، بنگالی اور ہندوستانی عازمین حج باقی کسی ملک کا کوئی حاجی نظر نہیں آتا تھا۔یہی حال ہم نے غار حرا اور غار ثور میں بھی دیکھا۔معلوم ہوا برصغیر کے لوگوں کو اللہ کے ساتھ اللہ کے رسول سے بھی والہانہ عشق ہے۔چنانچہ وہ جہاں جہاں رسول اللہ نے قدم رنجہ فرمایا وہ وہاں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں نقش پائے رسول کی خوشبو سونگھتے ہیں۔ جبکہ بعض علاقوں کے مسلمانوں کو عشق رسولؐ سے کوئی علاقہ نہیں۔ چنانچہ وہ یادگار رسولؐ پر جانے سے گریز ہی نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی جانے سے روکتے ہیں۔ہمارا مشورہ ہے اگرچہ ان مقامات پر جانا مناسک حج میں شامل نہیں۔یعنی یہ کوئی واجب یا رکن عمل نہیں لیکن تاریخ اسلام کے اہم ترین واقعات ان سے وابستہ ہیں۔اس لئے بڑے ذوق وشوق کے ساتھ وہاں ضرور جانا چاہیے اور ان سے فیوض وبرکات حاصل کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ہمارا تجربہ ہے کہ ان مقامات پر جانے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور بے انتہا فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

عبادات

فضائل جمعہ

(گزشتہ سے پیوستہ)

مولانا شکور علی انور

فرضیت جمعہ:

سورۃ الجمعہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جمعہ کی طرف آنے کا حکم دیا ہے۔ سعی سے مراد دوڑنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اذا نُودِیَ للصّلوٰۃُ فَاسْعَوْا الی ذِکْرِ اللّٰہ. جب نماز جمعہ کی اذان سنو تو تم نماز کے لیے قصد کرو۔ چل پڑو، کوشش کرو کام کاج چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہو جیسا کہ دوسری آیت میں سعی، کوشش کے معنی میں ہے اذا اراد الاخرۃ وسعی لھا سعیھا یعنی جو شخص آخرت کا ارادہ کرے تو پھر اس کے لیے کوشش بھی کرے۔ حضرت عمرؓ ابن خطاب اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں بجائے فاسعوا کے فامضوا ہے۔ یہ یاد رکھیں کہ نماز کے لیے دوڑ کر جانا منع ہے۔

صحیحین میں ہے کہ جب اقامت نماز سنو تو نماز کے لیے یکسانیت اور وقار کے ساتھ چلو دوڑو نہیں۔ مگر نماز میں جتنا پاؤ پڑھ لو اور جو فوت ہوا بعد میں پورا کرو۔

ایک اور روایت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز میں تھے لوگوں کی آہٹ زور زور سے سنی آپؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کیا بات ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ ہم جلدی جلدی یعنی دوڑ دوڑ کر نماز میں شامل ہونے کی کوشش کی ہے تو فرمایا ایسا نہ کرو نماز کو اطمینان کے ساتھ چل کر آؤ۔ جو پاؤ پڑھ لو اور جو رہ گیا بعد میں پورا کرو۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم یہاں یہ حکم نہیں کہ دوڑ دوڑ کر نماز کے لیے آؤ بلکہ یہ منع ہے۔ مراد دل اور نیت میں خضوع وخشوع ہو۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں۔ اپنے دل اور عمل سے کوشش کرو جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ فلما بلغ معہ المسعی. اس کا مطلب ہے کہ حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو یہاں بھی سعی کے معنی دوڑنے کے نہیں ہیں بلکہ دل اور عمل کے ساتھ یکا نگت اور کوشش کرنا ہے۔ (ابن کثیر، ۲۷)

مزید وضاحت و ذروا البیع سے ہوتی ہے۔ اس سے اذان جمعہ کے بعد سارے مشاغل کا ممنوع قرار پانا مقصود ہے۔ جس میں زراعت، تجارت، محنت، مزدوری اور کام کاج مراد ہے۔ مگر قرآن مجید میں صرف بیع کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ جمعہ کے مخاطب شہروں، قصبوں اور محلوں والے ہیں۔ اور تمام امور چھوڑنے کا حکم ہے کہ جب بھی اذان سنو جمعہ کی نماز کے لیے تمام امور بیع کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس لیے کہتے ہیں کہ: اذان جمعہ کے بعد کھانا، پینا، سونا، تحریر وتقریر اور مطالعہ جیسے امور ممنوع قرار پائے ہیں صرف جمعہ کے متعلق جو کام ہوں وہ انجام دیے جا سکتے ہیں۔ (معارف القرآن ۴۴۲)

فرضیت جمعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک مکمل سورت نازل فرمائی ہے جس کی گیارہ آیتوں میں سے آخری تین آیتوں میں جمعہ کے احکام اور فرضیت کا بیان ہے۔ جن کی مختصر تفسیر و تشریح سے مطالب واضح کیے گئے ہیں۔ تاہم ان احکام کی تصریحات اور اہمیت مندرجہ ذیل احادیث سے بھی معلوم کی جا سکتی ہیں۔

عن طارق بن شهاب قال قال رسو ل الله صلى الله عليه و آله وسلم الجمعة حق واجب على كل مسلم فى جماعة الا على ارجمعة عبد مملوك اوامراة اوصبى او مريض۔ (سنن ابی داؤد)

طارق بن شہابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے۔ مگر چار اشخاص اس فرضیت سے مستثنیٰ ہیں:

۱۔غلام جو کسی کا مملوک ہو۔

۲۔عورت باوجود پاک صاف اور صحت مند ہو۔

۳۔لڑکا جو نابالغ ہو۔

۴۔بیمار آدمی ہو۔

۵۔بعض روایت میں مسافر کا بھی ذکر ہے۔(ابن کثیر)

جمعہ کی فرضیت اور اہمیت کے متعلق سید العارفین رقمطراز ہیں:

اما الجمعة فكانت من اعاظم شعائر الاسلام وهى واجبة على كل مسلم ذكر عاقل بالغ حر مقيم ۔ (الفقه الاحوط،۸۲)

جمعہ اسلام کی بڑی بڑی امتیازی نشانیوں میں سے ہے۔ یہ نماز ہر مسلمان مرد، بالغ، عاقل، آزاد اور مقیم پر واجب ہے۔ جمعہ کی فرضیت پر تمام علماء اسلام اور اولیائے کرام کا اتفاق ہے۔ البتہ اس کے آداب وشرائط میں اختلاف ہو سکتا ہے جو ضمنی اور علمی تصور کیا جائے گا۔ اکثر علماء ذی وقار نے اسے فرض عین قرار دیا ہے۔ لیکن بعض مسلمان علماء نے فرض کفایہ کہا ہے۔ سابقہ روایات وآیات کی روشنی میں فرض عین ہونا محقق ہوتا ہے۔ کیونکہ اگلی حدیث کی روایت میں تارک جمعہ کے بارے میں وعید سنائی گئی ہے جو فرض عین ہونے کی دلیل ہے۔ کہتے ہیں جمعہ کی نماز مکہ میں ہی فرض ہو گئی تھی تاہم اس کی مکمل پابندی کرنے کا موقع مدینہ میں میسر آیا۔ بعض مفسر کہتے ہیں کہ سورہ جمعہ کی سورت ہے مدنی نہیں۔ عن ابن عمر ابی ہریرہؓ: انهما قالا سمعنا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم على اعواد منبره لينتهين اقوام عن ودعهم الجمعات اوليختمن الله على قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين۔ (رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ بر سر منبر فرما رہے تھے کہ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آجائیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے۔

بعض روایت میں ہے کہ تارک جمعہ کے مرتکب لوگوں کے گھروں کو جلا دیا جائے۔ عن ابی جعدہ الضمری: قال قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم من ترك ثلث جمع تهاونا بها طبع الله على قلبه۔ (ابوداؤد، ترمذی، مسلم، نسائی، ابن ماجہ)

ابو جعدہ ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو آدمی بلا عذر تین جمعہ تساہل اور غفلت سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا۔

پھر وہ نیکی اور بھلائی کی توقعات سے محروم ہو جائے گا۔

اس کے علاوہ چند دیگر احادیث کی روایتوں میں آتا ہے کہ بغیر عذر تین جمعہ ترک کرنے والا اور بعض روایت میں ہے کہ ایک بھی جمعہ بغیر شرعی عذر چھوڑے گا اللہ کے دفتر میں منافق لکھا جائے گا۔ عبدالرحمان بن مالک سے روایت ہے کہ جب میرے باپ کی بینائی جاتی رہی تو میں ان کا ہاتھ پکڑ کر لے جایا کرتا تھا۔ جب میں ان کو لے کر جمعہ کے لئے نکلتا تو وہ اذان سنتے تو وہ ابوامامہ اسعد بن زرارہ کے لئے استغفار اور ان کے لئے دعا کرتے کافی عرصے سے یہ دیکھتا رہا۔ لیکن میں اپنے دل میں یہ خیال کرتا رہا کہ واللہ یہ بے وقوفی ہے کہ جب ہم جمعہ کی اذان سنتے ہیں وہ ابوامام اسعد بن زرارہ کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔ اس کا سبب ان سے نہیں پوچھتا۔ خیر ایک روز میں حسب معمول اپنے باپ کو لے کر جمعہ کے لئے نکلا جب انھوں نے اذان سنی تو پھر ان کے حق میں دعا کی۔ جیسے ان کی عادت تھی۔ میں نے کہا ابا جان یہ کیا بات ہے کہ آپ جمعہ کی اذان سنتے ہیں تو اسعد بن زرازہ کے حق میں دعائیں کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو انھوں نے کہا بیٹا! اسعد ہی تو ہے جس نے سب سے پہلے ہم کو جمعہ کی نماز پڑھائی۔ (ابن ماجہ ۵۴۴) چونکہ آنحضرت ﷺ مکہ میں

تھے تو جمعہ کا حکم نافذ ہو چکا تھا۔ مدینہ والے جمعہ کی نماز کا آغاز کر چکے تھے۔ چنانچہ نقیع الخضمات کے بنی بیاضہ کے ہزم (جو مدینہ کی ایک بستی ہے) میں جمعہ ادا کیا کہتے ہیں۔ اس دن نمازیوں کی کل تعداد چالیس تھی۔ حضرت ابوہریرہ کی دوسری رویت میں ہے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہم دنیا والوں میں آخر میں ہیں اور آخرت میں اوّل ہیں۔ یعنی فضیلت اور درجے کے اعتبار سے ہم کو اولیت حاصل ہوگی۔ اور حساب کتاب کا معاملہ بھی پہلے ہوگا۔ (ابن کثیر) علماء محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کا حکم مکہ میں نافذ ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے نماز جمعہ وہاں پڑھائی تھی۔ کیونکہ کفار قریش کے شر کی وجہ سے علی الاعلان جمعہ ادا نہ کر سکے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد نماز جمعہ کی حسب حکم ادائیگی یقینی ہوگئی۔ پھر جمعہ کے اجتماع میں سب مسلمان شامل ہونے لگ گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن مومنوں کو ذکر یعنی اپنی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم دے چکا ہے۔ (بخاری شریف) بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کا اجتماع بھی ملت ابراہیمؑ کا حصہ تھا۔ اسلام سے پہلے بھی جمعہ کا تصور موجود تھا۔ لوگ اس دن جمعہ کی نماز کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتے تھے۔ جیسا کہ کعب بن لوئی جو ملت ابراہیمؑ کا پیروکار تھا۔ جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو خطبے میں فرمایا! اے لوگو کثرت سے توبہ کرو اور نیک اعمال جلدی کرو۔ مشغول ہونے سے پہلے یعنی ایسا نہ ہو کہ دنیا کے کاموں میں پھنس کر نیک عملوں سے پہلے باز رہ جاؤ۔

جان لو! جمعہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیا اگر کوئی شخص میرے مقام میں، اس دن میں، اس مہینہ میں اس سال میں بلکہ قیامت تک میں جمعہ کو ترک کرے۔ میری زندگی میں یا میرے بعد اور اس کا کوئی امام ظالم ہو یا عادل جمعہ ترک کرے خواہ جمعہ کو حقیر جان کر خواہ اس کا کسی صورت میں انکار کرے تو اللہ تعالیٰ ان حالات میں تمہیں سنوارے گا اور اس کے کام میں برکت نہ دے گا۔ اس کی نہ نماز ہوگی نہ زکوٰۃ نہ حج قبول ہوگا نہ روزہ اور نہ نیکی قبول ہوگی۔ (سنن ابن ماجہ ۱۰۸۱)

بہت زیادہ کمزور، نقاہت کے شکار بوڑھے آدمی/ بیمار آدمی کے حکم میں ہے کہ جمعہ اس سے ساقط ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں درج ذیل لوگوں پر بھی جمعہ ساقط ہو جاتا ہے۔

۱۔ مریض کی عیادت اور دیکھ بھال کرنے والا۔
۲۔ جس کی جان کو خطرہ لاحق ہو۔
۳۔ جس کے مال و اسباب کے ضائع ہونے کا خطرہ لاحق ہو۔
۴۔ جس کے مال مویشی کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔
۵۔ جس کی دکانوں اور باغات کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو۔
۶۔ جس کے ہر اس چیز کے ضیاع ہونے کا خوف جس سے اس کا بڑا نقصان ہو چنانچہ شہر کے تمام لوگوں کا جمعہ میں حاضر ہونا کوئی آسان نہیں ہوتا۔

یہ نماز صرف جماعت کی صورت میں ہی جائز ہو سکتی ہے۔ لہٰذا جو شخص جمعہ کی جماعت میں حاضر نہ ہو سکا ہو اس کے ذمہ ظہر کی نماز کی ادائیگی واجب ہے۔ جس شخص پر جمعہ واجب ہو اس کے لئے جمعہ کی رات اور جمعہ کی دن کسی بدبودار چیز کو کھا کر جمعہ میں حاضر ہونا جائز نہیں۔ جیسا کہ پیاز، لہسن وغیرہ جب تک مہینہ کی صفائی کے لئے استعمال ہونے والی دواؤں استعمال اور میٹھی چیزوں کے کھانے کے ذریعے اسے ختم نہ کرے جمعہ کا اجتماع جتنا زیادہ متوقع ہے زیادہ مناسب ہے۔ تاہم معذرت قابل قبول بات ہے۔ جمعہ کا اہتمام نہ کرنے سے قلیل تعداد میں بھی ادا کرنا معروف عمل ہے۔ جمعہ مساجد کے علاوہ میدانوں، عیدگاہوں اور وسیع مقامات پر ادا کیا جا سکتا ہے۔ جہاں لوگوں کی کثیر تعداد شامل ہو سکے تاہم یہ مقامات شہر کے اندر یا شہر کے قریب ہونا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں کسی بھی پاک صاف مناسب مکان میں بھی جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ جمعہ کی شرائط میں سے مقیم ہونا بھی ہے کہ وہ لوگ اس شہر کے رہائش پذیر ہوں اگر کوئی مسافر ہے تو ان پر جمعہ ساقط ہے۔ جمعہ ان لوگوں پر بھی واجب نہیں

ہے جو ہمیشہ خیموں میں مقیم سال میں ایک جگہ سے دوسری جگہ چشموں، سبزہ زاروں اور وادیوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ جو لوگ گرمی یا سردی گزارنے کے لئے سال میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ عمارتوں یا مکانات والی کسی بستی میں منتقل ہوتے رہتے ہیں ان سے نماز جمعہ ساقط نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ لوگ جہاں بھی جائیں وہ اسی جگہ کے مقیم شمار ہوں گے۔ ان پر جمعہ واجب ہے۔ ہر اس شہر میں یا بستی میں نماز جمعہ کا قائم کرنا واجب ہے جہاں جماعت کے ساتھ نماز کا پڑھنا ممکن ہو۔ چنانچہ اسی جگہ جمعہ کی نماز منعقد ہوسکتی ہے جتنی تعداد میں لوگ ہوں امام سمیت تین افراد ہوں یا اس سے زیادہ لوگ ہوں۔

جمعہ کی شرائط میں سے ایک جماعت سے پڑھنا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز صرف جماعت کی صورت میں جائز ہوسکتی ہے۔ جو شخص جماعت میں حاضر نہ ہوسکے اس کے لئے کوئی جمعہ نہیں ہے۔

جس شخص پر جمعہ کی نماز واجب ہے اس کے لئے سورج نکل آنے کے بعد سفر کرنا حرام ہے۔ صبح صادق نکل آنے کے بعد فوت ہونے والی کسی ضرورت کے بغیر سفر کرنا مکروہ ہے۔ یعنی جس ضروری کام کے نہ کرنے سے بڑا نقصان نہ ہوتا ہو تو وہ سفر کر سکتے ہیں۔ جمعہ کا مقررہ وقت زوال کے ابتدائی سائے سے لے کر ہر چیز کے سائے کا اس سے دوچند ہونے تک ہے۔ اگر اس وقت سے تجاوز کر جائے تو جمعہ کی نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ عمارتوں والی کسی بستی میں جب لوگ جمعہ کی نماز قائم کریں تو جو شخص اس بستی کے اطراف سے جمعہ کی اذان سن لیتا ہو۔ اس کے لئے اسی جمعہ میں حاضر ہونا واجب ہے۔ اس اندازے سے لے کر زیادہ دور والوں کے لئے ایک اور جمعہ کا قائم کرنا جائز ہے۔ بڑے بڑے دیہاتوں میں لوگوں کے زبردست ہجوم کی وجہ سے کسی نہر (دریا) وغیرہ کی آڑ (رکاوٹ) موجود نہ ہونے کی صورت میں بھی دو جمعہ یا کئی جمعے کا قائم کرنا جائز ہے۔

جمعہ کا دوگانہ خطبہ:

خطبہ جمعہ دو رکعت نماز کے قائم مقام ہے چنانچہ نماز جمعہ صرف دو رکعتوں پر مشتمل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خطبہ جمعہ دو رکعتوں کا نعم البدل ہے۔ جمعہ کے ان دو خطبوں کے پانچ ارکان ہیں۔

۱۔ حمد و ثناء باری تعالیٰ

۲۔ محمد و آل محمد ﷺ پر درود بھیجنا

۳۔ خدا سے ڈرنے اور دیگر مناسب مواعظ یعنی پند و نصیحت کرنا

۴۔ ایک چھوٹی سی سورت یا چند آیتیں یا ایک لمبی آیت کا پڑھنا۔ ایک سورہ کا پڑھنا بہتر ہے بشرطیکہ آیت میں دوسرا کوئی فائدہ مدنظر نہ ہو۔

۵۔ تمام مومن مردوں اور عورتوں کے واسطے مغفرت کی دعا کرنا۔

لہذا یہ ضروری ہے کہ دونوں خطبوں کے اندر حمد و صلوٰۃ کے الفاظ وقوع پذیر ہوں۔ نصیحت و مواعظ کے الفاظ پہلے خطبے میں ہوں۔ قرأت اور مومنوں کے لئے دعائے خیر کا ذکر دونوں خطبوں میں شامل ہوں۔ یا ایک خطبہ میں یہ امر شامل ہو تو دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اگر یہ تمام شرائط و ارکان دونوں خطبوں کے اندر پائے جائیں اس کی فضیلت یقینی ہو جاتی ہے۔ خطبے کے واجب احکام یہ ہیں کہ خطبہ جمعہ نماز سے پہلے دیا جائے۔ خطیب اپنے طور قوت سے کھڑے ہونے والا ہو۔ اگر کھڑے رہنے سے عاجز آجائے تو بیٹھ کر خطبہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ نماز میں کھڑے ہونے سے عاجز آنے کی صورت بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا بھی اس کے واجبات میں شامل ہے۔ اگر جمعے کے خطبے زوال سے پہلے اور نماز زوال کے بعد واقع ہو جائیں تو اس سے نماز جمعہ باطل نہیں ہوتا۔ یعنی پاکستان کے معیاری وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے سے پہلے پہلے پڑھ لیا۔ اور نماز ساڑھے بارہ بجے کے بعد ادا کی گئی تو جمعہ ادا ہو گیا۔ خطبہ اور نماز کے درمیان اقامت پڑھنے کے سوا کسی اور کام کا وقفہ کرنے کا حکم نہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)

☆☆☆☆☆

تصوف

رسالہ در معرفت مذہب اہل تصوف

تحریر: غلام حسن حسنو ایم اے

تین صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ملا ہے جو تہران میں کتابخانۂ ملی میں تحت نمبر 2817/5 موجود ہے۔ جس میں مصنف پہلے اسلام میں تہتر فرقے ہونے ان میں سے ایک ناجی باقی سب کو جہنمی قرار دیتا ہے اور پھر تصوف کو اسلام سے جدا کر کے اس کے بھی بارہ فرقے بناتا ہے جن میں سے بارواں فرقہ مذہب ائمۂ اثناعشریہ کو ناجی باقی سب کو جہنمی قرار دیتا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر ہمارے نوربخشی اقلیتی دھڑا جو بلتستان کے کل نوربخشیہ کا ۱۷ فیصد اور کل مجموعی آبادی تقریباً ۱۱ ہزار ہے، خود کو ناجی باقی سب کو جہنمی سمجھنے لگے ہیں۔ اس خوش فہمی میں اسے انٹرنیٹ پر دے کر اسی کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے اور جہلاء کی یہ جماعت غلط بیانی کرتے ہوئے پھولے نہیں سماتی۔ یہ رسالہ میر سید علی ہمدانی کا نہیں۔ اس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

۱۔ رسالے کے شروع میں ”چنین فرماید ---میر سید علی ھمدانی یعنی ---میر سید علی ہمدانی یوں فرماتے ہیں“ آیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاہ ہمدان کی کوئی تصنیف یا تالیف نہیں۔ کیونکہ مؤلف یا مصنف ایسے جملے نہیں لاتے۔ پس اتنا ہو سکتا ہے یہ شاہ ہمدان کی کوئی تقریر یا ارشاد ہو۔ یہ ملفوظات کے زمرے میں آتا ہے جسے شاہ ہمدان نے نہیں بلکہ کسی شخص، جس نے اپنا نام درج نہیں کیا، نے تیار کیا ہے۔

۲۔ شاہ ہمدان کے ملفوظات خلاصۃ المناقب از جعفر بدخشی اور منقبۃ الجواہر از حیدر بدخشی میں دستیاب ہیں یہ دونوں شاہ ہمدان کے شاگرد اور مرید ہیں اول الذکر کتاب شاہ ہمدان کی وفات کے صرف ایک سال بعد مکمل ہوئی ہے ان میں آپ کی ایسی کوئی گفتگو مندرج نہیں ہے اور نہ ہی اس کی جانب کوئی اشارہ کنایہ موجود ہے۔

۳۔ کتاب کا اسلوب بیان شاہ ہمدان کے اسلوب بیان سے یکسر مختلف ہے شاہ ہمدان کسی بھی رسالے یا کتاب کے شروع میں تمہید یا تمہید لاتے ہیں اور پھر ای عزیز! کے بعد کوئی بھی دعائیہ جملہ لاتے ہیں اور ہر ہر صفحے پر آیات قرآنی، احادیث نبوی اور عارفانہ اشعار درج فرماتے ہیں یہ رسالہ ان سے مکمل طور پر عاری ہے۔

۴۔ ایران میں موجود قلمی نسخوں کی لسٹ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی سات جلدوں میں اور برصغیر و ایران میں موجود نسخہ جات کی فہرست مشترک چودہ جلدوں میں چھپ چکی ہے ان میں بھی اس رسالے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

۵۔ شاہ ہمدان کے حالات زندگی پر بیس سے زائد کتابیں لکھی گئی ہیں اور خوش قسمتی سے اکثر دستیاب بھی ہیں کسی بھی کتاب میں اس رسالے یا ایسی کسی تقریر کا ذکر نہیں ہے۔

۶۔ شاہ ہمدان کے ایک ایک کتب و رسائل کے ایک درجن سے دو سو تک مخطوطات ملتے ہیں صرف یہ تین صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جس کا صرف یہی ایک قلمی نسخہ دریافت ہوا ہے۔

۷۔ شاہ ہمدان نے جن بارہ فرقوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے حالیہ، اباحیہ، متکاسلہ اور متجاہلہ کوئی فرقہ نہیں۔ یہ تو ہر دور میں پائے جانے والے اہل غرض اور نفس پرست ہیں انہیں فرقہ قرار دینا مصنف کی جہالت ہے۔

۸۔ مذہب ائمۂ اثناعشرہ کے نام سے کوئی مذہب آج تک وجود میں نہیں آیا۔ تاریخ فرق و مذاہب اس نام سے ناواقف ہے۔

۹۔ شمراخیہ، حلولیہ، اولیائیہ، حبیبیہ اور واقفیہ وغیرہ واقعی فرقے تھے جو شاہ ہمدان کے زمانے سے صدیوں پہلے ختم ہو چکے تھے جبکہ کبرویہ، کمیلیہ (ان دونوں سے شاہ ہمدان خود وابستہ ہیں) قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، شاذلیہ، نقشبندیہ، مولویہ وغیرہ ان کی زندگی میں بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں زندہ اور موجود فرقوں کو چھوڑ کر کب کے مردہ فرقوں کا ذکر کرنا اس رسالے کے مؤلف کے ذہنی دیوالیہ پن کا ثبوت ہے۔

(باقی صفحہ نمبر 30 پر)

ہمدانیات

میر سید علی ہمدانیؒ

تحریر: سید نعیم الحسن منگوئی

مقتدا اور پیشوا میر سید علی ہمدانیؒ نبیؐ اور علیؑ کے نامی گرامی فرزند ہیں۔ وہی ملک ولایت کا شہنشاہ اور آسمان ہدایت کا چاند ہیں۔ ان کا دست سخاوت موجیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ ان کا دل بحرِ عرفان اور دریائے فیض ہے۔ ان کی موجوں سے ساحل پر گہر ہائے فیض نمایاں ہیں۔ ان موجوں سے اٹھنے والی ہوائیں جب سراب سے ہوکر گزرتی ہیں تو وہ آب بن کر وسعت اختیار کرتی ہیں بحرِ عمان کا نظارہ پیش کرتی ہیں۔ اس کا پانی حیات بخش ہے جسے پی کر مردہ نہ صرف زندگی پالیتا ہے بلکہ دوسروں کے لیے بھی سامان زندگی فراہم کرتا ہے۔

حضرت شہ مرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برگزیدہ فرزند میر سید علی ہمدانیؒ یقیناً عرفان کے امام، ملک ہدایت کے سلطان اور کشور ولایت کے شہنشاہ ہیں۔ ارباب ولایت کے لیے باعث افتخار اصحاب رشد و ہدایت کے راہبر ہیں۔ علی ثانی میر سید علی ہمدانیؒ حقائق کا پردہ فاش کرنے والے ہیں۔ اولیائے عالم کے سرِ دفتر، خداشناسی کے علم میں اعلم ہیں۔

آپ بمعنی ابر گہر فشاں اور بحر بے کراں میں دریائے جود و احسان کے سرچشمہ اور اہل کشف وایقان کے سرِ حلقہ ہیں۔ علی ثانی امام ھدیٰ اولیائے خدا کے سید ہیں۔ سرور دو عالم کے قرۃ العین اور ان کی صوری و معنوی اولاد ہیں۔ آپؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ولی اکمل تاجدار ولایت مولا علی علیہ السلام کے حقیقی وارث ہیں۔ جن کی صورت سے تمام حقائق کا بیان عیاں ہے۔

حضور سرور کائناتؐ کی حدیث پاک وَآلِ مَنْ وَّالَاهُ کے مجلس افروز اور عَادِ مَنْ عَادَاهُ کے گھر بار دھونکنے والے فخر آل محمد عربیؐ اور مشعل دودمان مرتضویٰؑ میں خدا کے خلیفہ اعظم ہیں۔ جن کا تصوف تمام عالم پر عیاں ہے۔ شراب مصطفوی کا کاسہ دار سرور مرتضوی کا نغمہ ساز بھی میر سید علی ہمدانی غوث آفاق اور قطب حقانی ہیں۔

ہمارے مقتدا اور پیشوا محسن کشمیر و بلتستان علی ثانی جہاں علوم ظاہری کے بحر و بے کراں تھے وہاں علوم باطنی کے سمندروں کے بھی شناور تھے۔ آپؒ بیک وقت مفسر، محدث، متکلم، فقیہہ، مصنف، شارح، سیاح، صوفی صافی، مظہر لافتی الاعلی، صاحب کشف وجذب، سلطنت ظاہری و باطنی کے دقیقہ شناس اور مزاج شاہی و عوامی کے رمز شناس، ایمان، یقین، احسان کی حقیقت کے حقیقت داں، شاہ ہمدان بلکہ ''ہمہ داں'' تھے۔

شاہ ہمدان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اہل کشمیر و بلتستان کو مکمل اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرکے دین و دنیا کی تفریق سے بلند تر زندگی گزارنے کا سلیقہ عطا کیا۔

ایک مفکر، مبلغ، مجاہد اور ایک عظیم صوفی کی حیثیت سے انہیں اس بات کا احساس تھا کہ جب تک کسی معاشرے کے افراد اقتصادی طور پر خود کفیل نہ ہوں وہ زمانے کے حادثات بالخصوص حاکمانہ جبر و استبداد کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس سلسلے میں انہوں نے تحریکی انداز سے خاص کر اہل کشمیر و بلتستان کو مختلف صنعتوں قالین بافی، ریشمی پارچہ سازی، سنگ تراشی، معماری اور کلاہ سازی سے متعارف کرایا۔

شاہ ہمدانؒ کی سیرت کے عملی نمونوں سے خود صوفیہ کے

طبقے میں بھی تحریک پیدا ہوئی اور وہ عبادت، اطاعت، ریاضت کے ساتھ ساتھ؛ اقتصادی جدو جہد میں بھی شریک ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سر زمین جنت النظیر بلتستان وکشمیر صنعت گاہ بن گئی اور مختصر عرصہ میں دنیائے صنعت میں اس کی نادرہ کاری کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہوئی۔

شاہ ہمدان کی بلتستان میں گراں قدر خدمات:

بلتستان میں آپ کی سب سے اہم خدمت دین اسلام کی اشاعت ہے۔بلتستان کے لوگ ''بون چھوس'' اور ''بدھ مت'' سے تعلق رکھتے تھے۔آپؒ کی کوششوں سے اہل بلتستان کو اسلام نصیب ہوا اور اس وقت بلتستان کی سو فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔

میر سید علی ہمدانیؒ کی دو اہم کتابوں مودۃ القربیٰ اور ذخیرۃ الملوک کے بارے میں مورخین کا خیال ہے کہ آپؒ نے یہ دونوں کتابیں قیام بلتستان کے دوران مکمل کیں۔ مناقب اہلبیت اطہار علیہم السلام پر مودۃ القربیٰ اور شان صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں ذخیرۃ الملوک لکھ کر آپؒ نے اتحاد بین المسلمین کا ثبوت دیا۔

اپنی شہرہ آفاق کتاب ذخیرۃ الملوک میں حضرت رقمطراز ہیں کہ حنفی شافعی طریقوں کے پیروکاروں کو ذرا ذرا سے اختلافات پر ایک دوسرے سے نہیں الجھنا چاہیے۔ ہر کوئی اپنی طریقوں پر چلتا رہے اور دوسرا اس کا استہزاء نہ کرے تاکہ مسلمان معاشرہ فرقہ وارانہ اختلاف اور اونچ نیچ کے تصور سے بے گانہ ہو اور سب مسلمان آپس میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مختلف گروہوں اور طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے درمیان رابطے قائم کئے اور رشتہ داریاں کروائیں۔ان رشتہ داریوں میں سادات اور غیر سادات کے رشتے نمایاں نظر آتے ہیں۔شاہ ہمدان کی تعلیمات کی ضیا پاشیوں کا اثر ہے کہ آج بلتستان امن وآشتی کا گہوارہ ہے اور یہاں کے باسی اخوت کی فضا میں چین وآرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

شاہ ہمدانؒ نے بلتستان کے طول وعرض میں تبلیغی دوروں کے دوران متعدد مقامات پر خانقاہوں اور مسجدوں کی بنیادیں رکھیں۔ یہ خانقاہیں اور مساجد جہاں آثار قدیمہ کے عظیم شہکار ہیں وہاں میر سید علی ہمدانیؒ کی مقدس یادگاریں بھی ہیں۔

آپؒ کی مساعی جمیلہ سے تبتی الاصل بدھ مت تہذیب و تمدن حرف غلط کی طرح مٹ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلتستان سے رخصت ہوگیا۔ان کی جگہ اسلامی تمدن نے لے لی۔اہل بلتستان کی رحم دلی، امن پسند اخلاق ومروت اور سادگی جیسے اوصاف میر سید علی ہمدانی اور ان کے ساتھیوں کی صحبت اور ہم نشینی کا نتیجہ ہیں۔

آپؒ کی یہ وصیت اہل بلتستان کے لیے حرز جان کی حیثیت رکھتا ہے۔

به علم و حیا و صبر و شکور
بجوئید همیشه رضائے غفور
زظلم و زنا و کذب و دغا
زانعام وغیبت صبح و مسا
بباید حذر پس بباید حذر
خود و دیگراں از دخت و پسر

شاہ ہمدانؒ کے یہی اوصاف اور کمالات ہیں جوان کو نوابغ روزگار میں اہم مقام عطا کرتے ہیں اور سید علی ہمدانی 'ہمہ دان' کے وصف کے مستحق قرار پائے۔

آج ترقی پذیر اسلامی ممالک میں تعمیری جدو جہد کرنے والے ان کی زندگی کو مشعل راہ بنا کر صحت مند انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

خطه را آں شاه دریا آستیں
داد علم و صنعت و تهذیب دیں
آفرید آں مرد ایراں صغیر
باهنر هائے غریب و دل پذیر

☆☆☆☆☆

اسلامیات

قیامت کا بیان

انتخاب کنندہ: شیخ نثار کودی

(ماخوذ از اصول اعتقادیہ از میر سید محمد نوربخشؒ)

قیامت پر اعتقاد کا مسئلہ:

اس بات پر اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ قیامت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ قیامت انفسیہ ۲۔ قیامت آفاقیہ

دونوں قسموں میں سے ہر ایک کی چار چار صورتیں ہیں:

۱۔ صغریٰ ۲۔ وسطیٰ ۳۔ کبریٰ ۴۔ عظمیٰ

قیامت کی تعریف:

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیر یرہ. ومن یعمل مثقال ذرۃ شر یرہ. ترجمہ: جو کوئی ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔

اس آیت شریفہ کے مطابق قیامت میں ثواب اور عذاب ہیں۔

۱۔ قیامت صغریٰ انفسیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان گرامی موتو قبل ان تموتوا۔ یعنی تم موت اضطراری سے مرجانے سے پہلے موت اختیاری سے مرجایا کرو۔

اس فرمان رسولؐ کے مطابق دنیا کی حیا سوز لذتوں اور بری بری خواہشات سے حقیقی توبہ کر کے برائی پر خوب اکسانے والے نفس امارہ کو مار ڈالنا اور اسے ایسی پاکیزہ زندگی بخشنا جو صرف اچھے اچھے اعمال اور پُر صلاح پسندیدہ خصلتوں سے ہی سیر ہوتی ہے۔ اس کا نام قیامت صغریٰ انفسیہ ہے۔

۲۔ قیامت وسطیٰ انفسیہ:

عالم ملک کے صوری مکاشفات سے عالم ملکوت کے معنوی مشاہدات کی طرف منتقل ہو جانا ان لوگوں کی لڑی میں منسلک ہو جانا جن کے احوال کے بیان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ابدانهم فی الدنیا وقلو بهم فی الاخرۃ بالاشباح فر شیون مبالارواح عرشیون۔ یعنی ان کے بدن دنیا میں اور دل آخرت میں ہوتے ہیں۔ وہ اجسام کے لحاظ سے زمین والے ہیں اور پاکیزہ روحوں کے لحاظ سے عرش والے اس کا نام قیامت وسطیٰ انفسیہ ہے۔

۳۔ قیامت کبریٰ انفسیہ:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ونفخ فی الصور ...... من فی السموت ومن فی الارض الا ماشاء اللہ ثم نفخ فیه اخری فاذاهم قیام ینظرون. یعنی صور پھونکا جائے گا پس آسمانوں والے اور زمین والے سب کے سب بے ہوش ہوں گے ماسوائے اس فرد کے کہ جس کو اللہ پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا پس ناگہاں لوگ کھڑے کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔

اس ارشاد ربانی کے مطابق عالم ملکوت اور افلاک سے تعلق رکھنے والے نفوس اور عقول سے عالم جبروت اجسام سے پاک عقل اول اور زندگی کے بحر بیکراں کی طرف کوچ کرجانے کا نام قیامت عظمیٰ انفسیہ ہے۔

۴۔ قیامت عظمیٰ انفسیہ:

میموں، روحوں ثابت اعیان اور تخصصات سے پوری طرح فنا ہو جانا عالم لاہوت کو رسائی پا جانا عالم لاہوت میں مضمحل و نابود ہو جانا اور حقیقی زندگی کے ساتھ اس میں باقی رہنا قیامت عظمیٰ انفسیہ ہے۔ اس حالت خاص میں وہ لوگ انا للہ وانا الیہ راجعون کہتے ہیں۔ یعنی بے شک ہم اللہ کی رضا مندی کے لیے وجود میں آئے اور یقیناً ہم

اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

۵۔قیامت صغریٰ آفاقیہ:

ایک جزوی حالت میں کلی طور پر ایک تباہ کن سبب کی بناء پر اضطراری طور پر اپنی طبعی موت سے لوگوں میں سے کسی ایک فرد کے مرجانے کا نام قیامت صغریٰ آفاقیہ ہے۔اس لیے فرمان رسولؐ ہے: من مات فقد قامت قیامته۔ یعنی جو شخص مرجائے تو گویا اس کی قیام برپا ہوگئی۔

۶۔قیامت وسطیٰ آفاقیہ:

خواہ طاعون کی بیماری سے ہو خواہ وبائی امراض سے ہو۔ خواہ قتل عام کی بناء پر ہو یا بہت بڑے قحط سے لوگوں کی موت واقع ہونے کا نام قیامت وسطیٰ آفاقیہ ہے۔

۷۔قیامت کبریٰ آفاقیہ:

جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دعا میں فرمایا: رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ ترجمہ: پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بھی زندہ نہ چھوڑ۔چنانچہ طوفان نوح کی مانند اطراف عالم میں ایک چھوٹی سی جماعت کے سوا عام لوگوں کی ہلاکت کا نام قیامت کبریٰ آفاقیہ ہے۔

۸۔قیامت عظمیٰ آفاقیہ:

نظام شمسی کے منطقہ بروج مختلف ہونے اور نظام ایام کا اعتدال معطل ہونے کی وجہ سے کرہ آب کا کرہ خاک کو اپنے اپنے اصلی طبعی میلان کے مطابق پوری طرح گھیر لینے کا نام قیامت عظمیٰ آفاقیہ ہے۔ایسے میں روئے زمین پر کوئی بھی ذی روح باقی نہیں رہے گا۔فرمان خداوندی ہے: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ. وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ: ترجمہ: زمین پر موجود ہر ہر جاندار فنا ہونے والا ہے اور تیرے پروردگار ذوالجلال والاکرام کی ذات باقی رہے گی۔اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو اس قیامت کی خبر دی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا. ترجمہ: بے شک قیامت کی گھڑی آنے والی ہے۔اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔اس حالت میں بڑی عظمت والے رب الارباب مخلوقات سے مخاطب ہوگا۔ اور ارشاد فرمائے گا۔لمن الملک الیوم۔یعنی آج کے دن اقتدار اعلیٰ کس کو حاصل ہے۔ظالموں کا خانہ خراب ہو جائے گا۔کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہے گا جو پروردگار عالم کے اس سوال کا جواب دے سکے۔ چنانچہ خداوند خود اپنے ذات کے لیے جواب میں ارشاد فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ. یعنی آج کے دن اقتدار اعلیٰ قہر والے خدائے یکتا کو حاصل ہے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: رسالہ در معرفت مذہب اہل تصوف

۱۰۔ رسالے کا مصنف جھوٹ بولنے میں ماہر لگتا ہے مثلاً حبیبیہ حبیب عجمی کے پیروکار۔حبیب عجمی کا نام شاہ ہمدان کے اپنے سلسلہ میں بھی مندرج ہے۔حبیبیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ ذوق حق کی بناء پر عبادت ان سے اٹھ گئی اس لئے وہ ترک نماز وروزہ کرتے ہیں قطعاً غلط ہے حالانکہ وہ شرعی حدود کے نہایت پابند اور عبادت وریاضت کے بڑے عامل ہوتے تھے۔

۱۱۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رسالے کے آخر میں کتاب کی تصنیف کا سال ۱۰۴۶ھ درج ہے جبکہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی ۷۸۶ھ میں فوت ہوئے تھے اس طرح یہ شاہ ہمدان کی وفات کے ۲۶۰ سال بعد کی تصنیف ہے۔

۱۲۔ دراصل یہ رسالہ بہاؤالدین عاملی کا ہے جس کی کتاب نان وحلوا بہت مشہور ہے اور یہ ایران میں انہی کے نام سے شائع ہو چکی ہے اور اس کے مخطوطات بھی دستیاب ہوئے ہیں مصنف بہت مشہور شیعہ عالم ہیں چنانچہ اس نے بارہواں فرقہ شیعہ ناجیہ لکھ دیا ہے۔

۱۳۔ کسی چھاپی یا قلمی کتاب یا رسالے پر بطور مصنف کسی کا نام آنے سے کوئی مصنف بنتا ہے نہ ہی کتاب یا رسالہ مذکور کا بن جاتا ہے۔ہو سکتا ہے کہ کسی مطلبی نے اپنے اغراض کی تکمیل کے لئے ایسا کیا ہو خود غرض لوگ ماضی میں ایسا کرتے آئے ہیں ایسی شرارتیں ہوتی رہتی ہیں بس اس رسالے کو کسی خود غرض کی کارستانی سمجھ لینا چاہیے۔

☆☆☆☆☆

نکاتِ دانش

الحاج غلام نبی شاہین سے انٹرویو

تحریر: جی ایچ معروفی

معروف مذہبی و سماجی شخصیت اور معرکہ پچھن کے مرکزی کردار الحاج غلام نبی شاہین صاحب کا ایک تفصیلی انٹرویو جو کہ نوائے صوفیہ کے قارئین اور عالم نوربخشیہ کے نوجوان اور نئی نسل کے معلومات اور دلچسپی کی خاطر پیش کیا جارہا ہے۔

موصوف نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کے حامیوں میں سے ہیں اور ڈیرہ دون انڈیا میں مدرسہ صوفیہ نوربخشیہ کی تعمیر اور عرب ممالک میں نوائے صوفیہ کے لیے مستقل خریدار بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے نوائے صوفیہ کی مالی معاونت کرکے اس جریدہ کو شائع کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔موصوف آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں اور مذہبی اور سماجی میدان میں اپنی خدمات پیش کر رہے ہیں۔ ادارہ نوائے صوفیہ کے پُرزور اصرار پر آپ نے اپنے تاثرات قلم بند کروائے ہیں۔ جسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

سوال: شاہین صاحب! آپ زمانہ طالبعلمی سے ہی سماجی، مذہبی اور سیاسی امور میں دلچسپی رکھتے ہیں۔آپ کے بچپن سے لے کر آج تک کے تعلیمی اور دیگر مشغولیات کے متعلق مختصراً احوال بیان فرمائیں۔

جواب: معروفی صاحب! سب سے پہلے میں آپ اور ادارہ نوائے صوفیہ کے جملہ اکابرین کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھ سے اپنے خیالات اس انٹرویو کے ذریعے دریافت فرمانے کی کوشش کی ہے۔ میں 2فروری 1954ء کو خپلو پائین محلہ پچھن کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔سارا خاندان ترکھانی کے پیشے سے منسلک تھا۔ میں نے ابتدائی تعلیم گورنمنٹ پرائمری سکول خپلو پائین سے حاصل کی۔میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول خپلو سے کیا اور پھر ڈگری کالج سکردو سے ایف اے تک تعلیم حاصل کی۔مزید حصول تعلیم کے لیے گورنمنٹ ڈگری کالج اصغر مال راولپنڈی میں داخلہ لیا۔ بی اے کے امتحان میں بدقسمتی سے کامیاب نہ ہوسکا اور یہیں سے میرے تعلیمی کیریئر کا اختتام ہوا۔ راولپنڈی میں قیام کے دوران مختلف طلباء تنظیموں اور مذہبی شخصیات سے میل جول کا موقع ملا اور مشہور نوربخشی سکالر جناب آغا مختار حسین الموسوی کی تحریک پر نوربخشی طالب علموں کے ساتھ مل کر آل پاکستان نوربخشی یوتھ فیڈریشن کا قیام عمل میں لایا۔ جو کہ ندوۃ الاسلامیہ نوربخشیہ کے بعد نوربخشی سطح پر دوسری بڑی منظم سیاسی و مذہبی تنظیم تھی۔ مجھے اس تنظیم میں سینئر نائب صدر کا عہدہ سونپا گیا۔آج NYF کا نام سنتے ہی ہمارا سر فخر سے بلند ہوتا ہے۔آل پاکستان نوربخشی یوتھ فیڈریشن کے قیام کے بعد اس تنظیم کی زیر نگرانی مرکزی خانقاہ معلیٰ خپلو میں پہلا عظیم الشان نوربخشی کنونشن منعقد ہوا۔

سوال: شاہین صاحب! آپ اپنی سیاسی جدو جہد اور اس میں کامیابیوں اور ناکامیوں کا کچھ تذکرہ کرنا پسند فرمائیں گے؟

جواب: معروفی صاحب! سیاست کا خمیر شروع سے ہی میرے اندر رچا بسا ہوا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ شمالی علاقہ جات کے کونسل کے انتخابات کے لئے جناب وزیر محمد صادق پرکوتہ والے اور جناب محمد اسماعیل صاحب براہ والے کے درمیان سخت مقابلہ ہوا تھا۔ اس الیکشن میں ہم لوگ نونہال سپورٹرز کی حیثیت سے اسماعیل صاحب کی انتخابی ٹیم میں شامل تھے۔ بدقسمتی سے اسماعیل صاحب اس الیکشن میں ہار گئے۔ یہیں سے ہماری سیاست کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس کے بعد (امی) سنٹرل کمیشن برائے شمالی علاقہ جات کا دوسرا معرکتہ الارا الیکشن جناب سید محمد کاظمی صاحب چھوربٹ اور جناب ٹھکیدار فدا محمد کے درمیان ہوا۔ اس میں ہم لوگوں نے آل پاکستان نوربخشی یوتھ فیڈریشن کے

پلیٹ فارم سے جناب کاظمی صاحب کے انتخابی مہم میں بھرپور حصہ لیا۔ اوراس طرح کاظمی صاحب کی کامیابی ممکن ہوئی۔خپلو میں مذہبی وسیاسی منافرت کا آغاز اس الیکشن کے بعد سے ہوا اور مذہبی فسادات کا دور شروع ہوا۔ اسی الیکشن کے بعد ہی سانحہ چقچن جیسے واقعات رونما ہوئے۔اور ساتھ ہی نوربخشی عوام میں سیاسی اور دینی بیداری بھی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ان واقعات کے بعد نوربخشیوں نے محسوس کیا کہ انہیں بھی معاشی طور پر مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی بنا پر چھوربٹ سے لیکر کراچی تک چندہ مہم شروع کی گئی۔اسی مقصد کے لیے بوافقیر محمد ابراہیم صاحب کی قیادت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں ناچیز کا نام بھی شامل تھا۔اس مہم میں ہمیں زبردست کامیابی ملی، عوام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔اسی دوران کسب معاش کی خاطر مجھے اس مشن کو ادھورا چھوڑ کر سعودی عرب جانا ہوا۔وہاں تقریباً تیس سال کا عرصہ دراز گزاردیا۔سعودی عرب میں قیام کے دوران میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں یہیں رہ کر قوم وملت کی کوئی خدمت نہیں کرسکتا۔ لہذا سوچ لیا کہ واپس پاکستان جاکر مذہبی اور سیاسی میدان میں قوم وملت کی خدمت کروں۔ اسی دوران اتفاق سے شمالی علاقہ جات کی کونسل کے انتخابات بھی ہونے والے تھے۔چند دوستوں کے اصرار اور ذاتی دلچسپیوں کے سبب میں نے بھی الیکشن میں حصہ لیا۔شاید میرا یہ فیصلہ غلط تھا اور میں الیکشن میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں دوبارہ اپنی پرانی ملازمت پر سعودی عرب واپس چلا گیا۔

سوال: کیا سعودی عرب میں قیام کے دوران آپ نے سیاسی اور مذہبی خدمات بھی انجام دیں؟

جواب: جناب معروفی صاحب! سعودی عرب میں میں کوئی قابل قدر ملازمت نہیں کر رہا تھا۔بس محنت مزدوری کر کے تھوڑا بہت جو کچھ میسر ہوتا تھا گھر کی کفالت کے ساتھ ساتھ دینی خدمات کی بھی کوشش کرتا تھا۔اسی لیے ذخیرہ اندوزی کرنے کے بجائے مذہبی اداروں کی مالی معاونت بھی کرنے کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی۔اسی سلسلے میں آپ اور جناب ڈاکٹر غازی نعیم صاحب کی کاوشوں سے ہم نے نوائے صوفیہ کے اجراء کے لیے تعاون کیا۔اسی وجہ سے نوائے صوفیہ جوکہ سہ ماہی تھا اسے ماہنامہ کرنے میں کافی مددگار ثابت ہوا۔سعودیہ میں ملازمت کے دوران نوربخشی حجاج کرام کی رہنمائی کرنا انہیں مالی معاونت دینا بہتر طور پر حج کی ادائیگی کے لیے مدد کرنا اور بہت سے لوگوں کو حج کی سعادت سے بہرہ مند کروانے میں مدد کی۔اللہ نے سعودیہ میں قیام کے دوران یہ سب توفیقات بخشیں کہ ان پر آج بھی فخر ہوتا ہے۔الحمداللہ سعودیہ میں قیام کے تیس سال کے دوران تقریباً سات دفعہ اللہ کے گھر کی زیارت بطور حج نصیب ہوئی اوراسی طرح ہر سال عمرے کی سعادت حاصل کی۔یہی میری زندگی کا کل سرمایہ ہےاور یہی خوش نصیبی ہے جو اللہ نے مجھے بخش دی۔

سعودیہ میں قیام کے دوران ہی جناب حاجی ثناء اللہ صاحب کی تحریک جامعہ شاہ ہمدان سکردواور شاہ ہمدان پریس اینڈ پبلی کیشنز کے لیے حسب توفیق عطیہ دینے کا شرف حاصل کیا۔نیز جناب غلام حسن حسنو کے اشاعتی پروگرام میں آسانی کی خاطر انہیں کمپیوٹر فراہم کیا۔اورنوائے صوفیہ کے لیے بھی کمپیوٹر اور دیگر ضروری مشینری فراہم کی۔اس سلسلے میں سعودی عرب میں مقیم تمام نوربخشی نوجوانوں کا بھی مشکور ہوں کہ انہوں نے ہر وقت ہمارے ساتھ بھرپور تعاون جاری رکھا۔نوائے صوفیہ کی وساطت سے ہمارا رابطہ ہندوستان میں مقیم نوربخشیوں کے ساتھ ہوا اور اُن کی مالی معاونت کے سلسلے میں شاید معروفی صاحب آپ ہی کے ذریعے رقوم کی ترسیل ممکن ہوئی۔

سوال: جامع مسجد چقچن کا تنازعہ کیسے رونما ہوا۔اس سلسلے میں آپ کے پاس کیا معلومات ہیں۔؟

جواب: جی ہاں۔ جامع مسجد چقچن جو کہ ایک شہرہ آفاق تاریخی ورثہ اور آثارقدیمہ میں شامل ہے۔جس کی بنیاد حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی نے اپنے دست مبارک سے رکھی۔ چونکہ بلتستان میں اشاعت اسلام کے اول روز سے ہی صوفیہ نوربخشیہ کے پیروکاروں کا مذہبی غلبہ رہا ہے۔ اورالحمداللہ آج تک یہی غلبہ قائم ہے۔تاریخ عالم گواہ ہے کہ جامع مسجد چقچن میں پنجگانہ نماز باجماعت ہوتی ہے۔نماز جمعہ عید کے اجتماعات

اور تمام مذہبی تقریبات اور ماہ محرم کے مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ اسی طرح اس کی مرمت اور آرائش کے تمام کام صوفیہ نوربخشیوں کے زیر اہتمام چلے آرہے ہیں۔ جامع مسجد چھترون کے امام وخطیب اور واعظ بھی نوربخشی ہی چلے آرہے ہیں اور آج بھی یہی سلسلہ قائم ہے۔ جہاں تک چھترون کے تنازعے کا سوال ہے وہ یوں پیش آیا کہ محلہ چھترون کے اہل تشیع کے کچھ شرپسندوں نے جامع مسجد کے اندر نوربخشیوں کے مذہبی عبادات اور انتظامی امور میں بے جا مداخلت شروع کی۔ چھترون کے مرکزی دروازے سے نوربخشیوں کے لئے رکاوٹ ڈالنے اور اذان دینے سے منع کرنے پر یہ تنازعہ شروع ہوا۔ اہل تشیع کا یہ دعویٰ ہے کہ مسجد محلے کی ہے جس میں اُن کا بھی حق ہے اور اس طرح مسجد کا برآمدہ بھی اُن کا ہے۔ لہٰذا اس سلسلے میں خپلو کے تمام اہل تشیع کے لوگ جمع ہوگئے۔ عاشورہ کے جلوس کے بہانے جامع مسجد پر یلغار کرنا چاہی۔ نوربخشی نوجوانوں نے ان کے مذموم عزائم میں انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا اور یوں مسجد کا دفاع کیا۔ فریقین کے درمیان ناخوشگوار واقعہ بھی پیش آیا اور معاملہ تھانہ کچہری تک جا پہنچا۔ اور یوں عدالتی فیصلے کے مطابق بھی چھترون کا قبضہ بدستور نوربخشیوں کے پاس ہے۔ البتہ چھترون سے ملحق قطعہ زمین ایک نوربخشی کے زیر تسلط ہے۔ اہل تشیع حضرات نے اس قطعہ زمین کو بھی جامع مسجد چھترون والوں کو نقد قیمت کے عوض فروخت کردیا اور آج الحمدللہ اس قطعہ زمین پر اہل صوفیہ نوربخشیہ نے مدرسہ کی عمارت تعمیر کردی ہے۔ اس طرح آج جامع مسجد چھترون میں اہل نوربخشی بغیر کسی کی مداخلت کے اپنی عبادات بجالانے میں بالکل آزاد ہیں۔

سوال: شاہین صاحب! نوربخشی دنیا میں آپ معرکہ چھترون کے ہیرو کے طور پر مشہور ہیں اس کی تفصیل بتائیں؟

جواب: جب اللہ تعالیٰ کو اپنے کسی بندے سے کوئی کام لینا ہو تو اُس کے لئے مختلف اسباب پیدا کرتا ہے۔ یوں تو سانحہ چھترون میں میرے ساتھ بہت سارے نوربخشی بزرگ، نوجوان اور مرد وزن شامل تھے۔ جن میں جناب امیر خان (مرحوم)، حاجی غلام حیدر، ابوعبداللہ، محمد عیسیٰ، جناب بدیع الزمان، محترم ماسٹر محمد حسن، جناب صوبیدار موسیٰ خان، صوبیدار محمد علی، ماسٹر شکور علی، موسیٰ خان، ماسٹر جعفر، ماسٹر سلیم، ڈاکٹر اخوند مہدی، ڈاکٹر رجب علی کے علاوہ خپلو پائین اور بالا کے تقریباً اسی نوجوانوں پر فوجداری مقدمات درج تھے۔ اس کے علاوہ ایک درجن سے زیادہ نوربخشی مستورات پر بھی مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ لیکن ہمارے مخالفین اور انتظامیہ کی نظر کرم مجھ ناچیز پر ہی مرکوز رہتی تھی۔ مجھ پر تقریباً نصف درجن فوجداری جعلی مقدمات بنائے گئے۔ سانحہ چھترون ہی کے سلسلے میں ہم پر ملٹری سمری کورٹ میں مقدمہ بھیجا گیا۔ جس میں سرفہرست میرا نام شامل تھا۔ میرے علاوہ ماسٹر محمد حسن صاحب، امیر خان صاحب اور ابوعبداللہ کے نام بھی شامل تھے۔ ملٹری سمری کورٹ کا یک طرفہ فیصلہ ہوا اور ہمیں قید با مشقت اور کوڑے کی سزا سنائی گئی۔ بعد میں کوڑے کی سزا کو واپس لے لیا گیا۔ چونکہ مخالفین کے نزدیک میں ہی ان تمام واقعات اور تنازعہ کا بنیادی محرک تھا اس لیے اُن کی کوشش یہ تھی کہ کسی نہ کسی طرح میری تعلیمی راہ میں رکاوٹ ڈالی جائے۔ ہمیں آگے بڑھنے سے روکا جائے۔ بس ایک روش کی وجہ سے نوربخشی عوام میں میری مقبولیت زیادہ ہونے لگی۔ اور مجھے ایک نجات دہندہ کے طور پر عزت کرنے لگے۔ جس کی مثال جب اسیران چھترون کا قافلہ رہائی کے بعد واپس خپلو پہنچا تو نوربخشی تاریخ کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ تمام اسیروں کو پھولوں اور نوٹوں کے ہار سے لادا گیا اور براہ پڑی سے لے کر چھترون تک اور وہاں سے گھروں تک کندھوں پر بٹھا کر لے جایا گیا۔ ماؤں بہنوں کے جذبات قابل دید تھے۔ ان کی آنکھیں نمناک تھیں، ہاتھوں میں پھولوں کے گلدستے تھے اور پلیٹوں میں تحفے اور نذرانے تھے۔

سوال: آپ جس وقت بھرپور طریقے سے دینی خدمات انجام دیتے تھے اُس وقت کے نوربخشی قائدین مثلاً جناب سید عون علی شاہ اور بدیع الزمان صاحب وغیرہ کا تعاون کیسا تھا؟

جواب: جس زمانے میں ہمیں بھرپور طریقے سے دینی خدمات کا موقع ملا نوربخشی قائدین خصوصاً پیر نوربخشیہ سید عون علی الموسوی اور جناب سید

جمال الدین الموسوی صاحب نائب پیر اور جناب بدیع الزمان صاحب سمیت جملہ اکابرین کی مکمل حمایت اور مثالی تعاون حاصل رہا۔ جو بھی امور مذہب حقہ سے متعلق وقوع پذیر ہوئے انجمن نوربخشیہ کے مشورے اور پیر نوربخشیہ کی حتمی منظوری سے سرانجام دیئے جاتے تھے۔ کوئی بھی کام پیر صاحب کی منظوری کے بغیر نہ کرتے۔ پیر صاحب بھی اراکین انجمن کے مشوروں کا احترام کرتے تھے۔ پیر صوفیہ نوربخشیہ سید عون علی الموسوی کا دور نوربخشی تاریخ کا پُر امن دور رہا ہے۔ وجہ صرف یہی تھی کہ پیر صاحب کبھی بھی اپنی تعلیمی بساط سے بڑھ کر کوئی قدم نہیں اُٹھاتے۔ وہ خاموش طبع، انتہا کے سادہ اور قناعت پسند شخصیت کے مالک تھے۔ بے کار رسم کی مہم جوئی سے گریز کرتے تمام علماء اور سادات کرام کا یکساں احترام کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ آج بھی اُن کا نام نہایت عزت اور احترام سے لیا جاتا ہے۔

البتہ جب میں نے سیاست میں حصہ لینے کی ٹھانی اور شمالی علاقہ جات کی کونسل کا ممبر بننے کے لیے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا تو توقع کے برخلاف پیر صاحب اور بدیع الزمان صاحب نے کھل کر مخالفت کی اور جناب محمد جعفر سلینگ والے کی حمایت کا اعلان کیا اور بھرپور انتخابی مہم چلائی۔ میرے سیاسی مخالفین نے میرے خلاف پیر صاحب اور بدیع الزمان صاحب کا کندھا خوب استعمال کیا۔

سوال: موجودہ دور میں نوربخشیوں کے درمیان اختلافات بہت زیادہ پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ کب اور کیسے پیدا ہوئے ہیں؟

جواب: میرے خیال میں نوربخشیوں میں طبقاتی اور فروعی اختلافات شروع ہی سے موجود تھے۔ سادات اور مولوی کے درمیان طبقاتی جنگ، فقہ الاحوط کے باترجمہ اشاعت کے دوران دیکھنے میں آیا تھا۔ لیکن یہ اختلافات اتنے شدید نہیں تھے مذہب صوفیہ میں گروہی، تقسیم امامیہ، صوفیہ کی تخلیق موجودہ پیر جناب محمد شاہ نورانی صاحب کی کرامات اور معجزانہ تخلیق ہیں۔ ہمارے وقت کے جملہ نوربخشی قائدین اور علماء کرام و سادات عظام صرف اور صرف ملت نوربخشیہ کی تدوین اس کی بقاء اور اس کے اساس کے دفاع میں تعلیم و تدریس کو اولین فوقیت دیتے تھے۔

لیکن صد افسوس آج کل کے مذہبی قائدین مذہب حقہ نوربخشیہ کو اپنے مفادات اور ذاتی شہرت اور انانیت کے لیے استعمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جس دن ان قائدین میں مذہب حقہ کی خدمت کا رجحان پیدا ہو جائے بجائے اس کے کہ مذہب کو ذاتی خدمت کے لئے استعمال کریں اُسی دن یہ سطحی اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔

سوال: آج کل آپ کی مصروفیات کیا ہیں۔؟

جواب: سعودی عربیہ سے ملازمت سے فارغ ہو کر اب پاکستان واپس آ چکا ہوں اور کچھ عرصے سے گوشہ نشینی اختیار کی ہوئی ہے۔ ہر طرح کی دینی، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں سے لاتعلق ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایک عرصہ سے ذیابیطس کا شکار ہوں۔ اس لئے ذہنی اور جسمانی مشقت کے قابل نہیں ہوں۔ اسی لیے گھر پر ہی آرام کر رہا ہوں۔

سوال: نوربخشی علماء نوجوان طبقہ بالخصوص این وائی ایف کے لئے کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

جواب: نوربخشی علماء کرام ہوں یا سادات عظام ہوں یا پیر و فقیر سب سے یہی ایک ہی گزارش ہے کہ اگر کسی کے دل میں اس مظلوم دین حقہ نوربخشیہ کے لئے معمولی سا بھی درد یا فکر ہے تو خدا کے لئے صرف اس قرآنی نقطہ پر متحد ہو جائیں اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھ جائیں لہٰذا پدرم سلطان بود کے بجائے ارشاد خداوندی ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم پر آ جائیں۔ این وائی ایف کے جوانوں سے یہی گزارش ہے کہ اس تنظیم کے بانیوں میں سے ہوں اللہ کے فضل سے یہ نحیف پودا اب تناور پھلدار درخت بن چکا ہے۔ اس کا نام سنتے ہی سر فخر سے بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا میری ان نوجوانوں سے گزارش ہے کہ اپنے آپ میں تنظیمی قواعد و ضوابط اور ڈسپلن پیدا کریں اور دین کی خدمت کا جذبہ پیش نظر رکھ کر کام کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ آپ کا حامی و مددگار رہے گا۔

سوال: علامہ محمد بشیر صاحب کی خدمات سے آپ آگاہ ہیں دوسرے علماء نوربخشیہ کو آپ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

(باقی صفحہ نمبر 39 پر)

فقہی مسائل

آپ کے مسائل اور ان کا حل

مولانا عارف حسین

س نمبر۱: استنجاء اور استبراء میں فرق کیا ہے؟

ج۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ رفع نجاست کرنے کو استنجاء اور پانی سے دھوکر پاکی حاصل کرنے کو استبراء کہتے ہیں۔ اور بعض علماء کے نزدیک قُبل دھونے کو استبراء اور دبر دھونے کو استنجاء کہتے ہیں۔ بہر حال بول و براز رفع کے بعد پانی کے ذریعے سے پاکی حاصل کرنے کے بعد دونوں کے لیے ایک ساتھ یہ اصطلاحات استعمال ہوتے ہیں۔

س نمبر۲: کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہے اگر سنت کو نہ بھی کریں کوئی مسئلہ نہیں لیکن ہم مسلسل کرتے ہیں مگر کان کا خلال کرنا اور مسح کرنا اور گردن کا مسح کرنا بھی سنت ہے۔ ہم کیوں نہیں کرتے؟

س نمبر۳: کلین شیو امام کے اقتداء میں داڑھی والے کی نماز کیسی ہے؟

ج۔ کلین شیو امام کا فسق جب ظاہر ہے تو باریش سنت رسول ﷺ سے آراستہ فرد کو اس کی اقتداء جائز نہیں ہے۔ (اعجاز لاہور)

س۴: کان اور گردن کا مسح کیسا ہے؟

ج۔ کان اور گردن کا مسح سنتوں میں سے ہوتے ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ مگر گردن کے مسح کے لیے علت بتائی گی ہے۔ گرم موسم۔ گرم مقامات اور گرد و غبار لگے ہوں تو ان کے ہٹانے کے لیے گرمی میں تخفیف پیدا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جہاں تک یہ سوال کہ لوگ یہ عمل نہیں کرتے ہیں۔ بات یہ ہے ان کے نہ کرنے سے ان کے سنت ہونے میں کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔ بہت سے اعمال متروک ہیں پھر بھی اپنی جگہ اپنی حیثیت پر براجمان ہیں۔

س۴۔ اگر کوئی شخص نماز روزہ چھوڑ دے تو اس کو جرا جرمانہ لگا کر نماز پڑھوانا کیسا عمل ہے؟

ج: یہ اصلاح کے لیے ایک نادہی کاروائی ہوگی شرعاً ان کے لیے اور سزائیں مقرر ہیں۔ اس طریقے سے اگر ان میں تبدیلی آتی ہو تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ نماز کی طرف راغب کرنا امر معروف کے زمرے میں آتا ہے۔

س۵: عصر کی نماز کے بعد سنت نوافل پڑھنا کیسا ہے؟

عصر کے بعد خود عصر کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے جبکہ دیگر غیر فرائض کا پڑھنا مکروہ ہے۔

س۶: کسی مردے کا چہرہ دیکھنا کیسا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں دیکھنے سے مردے شرماتے ہیں۔ (کاشف سرموی)

ج مردے کا چہرہ دیکھنا کوئی ضروری حکم نہیں ہے مگر عزیز و اقارب آخری دیدار کر کے اپنے اشتیاق میں تخفیف اور غمگساری کے لیے ایسا کرتے ہیں جو کہ مستحسن عمل ہے۔ اس لیے مخالف اور غیر متعلق افراد کو نہیں دیکھنا چاہیے۔

س ۷: عورتوں کا عیدین اور شب قدر میں مردوں کے ساتھ مسجد میں یا نماز گاہ میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ (ذاکر حسین غرہی)

ج: اگر عورتیں باتمیز خواندہ ہوں اور گھروں میں از خود نماز پڑھنے کی اہلیت رکھتی ہوں تو گھروں میں نماز پڑھنا بہتر ہے۔ خصوصاً جوان عورتوں کو چار دیواری کے اندر بہتر ہے۔ ورنہ مردوں کے ساتھ مسجد میں ایک جگہ نماز پڑھنے کا اتفاق ہونے کی صورت میں درمیان میں تقریباً ایک صف کا فاصلہ رکھنا چاہیے۔ اور اس طرح کے انتظامات ہوں کہ مردوں اور عورتوں کا اختلاط نہ ہو جائے اور بدنظری سے بچایا جاسکے۔ یہ اہتمام درمیان میں پردہ رکھ کر یا عورتوں والی طرف اندھیرا رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ اور مسجد میں دخول و خروج بیک وقت نہ ہوں اس طرح کے اہتمامات کر کے ایک ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

س ۸۔ اگر عورتوں کو بھی احتلام ہو جائے تو کیا ان پر غسل واجب ہے؟ (حبیب اللہ شکری، صوفی آباد)

ج۔ اگر عورت بھی مردوں کی طرح احتلام ہو جائے تو غسل واجب ہے۔

☆☆☆☆☆

غنچہ ہائے نو شگفتہ

بچوں کا نوائے صوفیہ

ظفر علی آخوند

یکم نومبر جشن آزادی گلگت بلتستان

تاریخ کے آئینے میں:

☆ گلگت بلتستان کو پہلے بلورستان اور دردستان سے پکارا جاتا تھا۔

☆ بلتستان والا حصہ مختلف ناموں پلو، بلور، بالتی اور تبت خورد وغیرہ سے بھی پکارا جاتا رہا۔

☆ قبل مسیح کے زمانے میں لوگ ''بون چھوس'' مذہب کے پیروکار تھے۔

☆ دو سال قبل مسیح ان علاقوں میں بدھ مت کی تبلیغ شروع ہوئی۔

☆ پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں لداخ سے گلگت تک پلولا شاہی حکمران کی حکومت قائم رہے۔

☆ نویں صدی عیسوی تک بلتستان تبت کا ایک صوبہ تھا۔ اس کے بعد بلتستان خانہ جنگی کی وجہ سے تبتی سے الگ ہو کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ گیا۔

☆ وادی سکردو پر لوسترالیو کی حکومت قائم ہوئی۔

☆ تیرھویں صدی کے آغاز میں سکردو مقپون شاہی خاندان میں کوئی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ایرانی نژاد ابراہیم کو داماد بنا لیا۔

☆ ابراہیم کی نسل بلتستان کے بڑے حصے پر ساڑھے چھ سو سال تک برسر اقتدار رہی۔

☆ اس عرصے میں نامی گرامی حکمران بہرام چو، بوخا، شیر شاہ، علی خان، علی شیر انچن اور مقپون احمد شاہ گزرے۔

☆ چودھویں صدی میں مبلغین اسلام کی تبلیغ شروع ہوئی اور لوگ تیزی سے اسلام کی طرف راغب ہوئے۔

☆ مقپون خاندان کا آخری حکمران احمد شاہ سے ڈوگروں نے حکومت چھین لی اور بلتستان ۱۸۴۰ء کے بعد ڈوگروں کے تسلط میں آگیا۔

☆ ڈوگروں نے معصوم بچوں اور عورتوں کا قتل عام کیا۔ یہ دور مظالم کا دور تھا۔

☆ ۱۸۷۷ء میں انگریزوں نے مہاراجا کی اجازت سے اپنی ایجنسی قائم کی۔ انگریز اور ڈوگرے نے مشترکہ معاہدہ کر کے ساٹھ سال تک حکمرانی کرتے رہے۔

☆ ۱۹۴۷ء میں برطانوی راج کا سورج ڈوب گیا تو دو الگ الگ مملکتیں وجود میں آئیں اور یوں ان کے معاہدے منسوخ ہو گئے۔

☆ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجا نے کشمیر کا بھارت سے الحاق کر دیا۔

☆ عوام کی مسلسل اور متحدہ کوششیں رنگ لے آئیں اور یوں یکم نومبر ۱۹۴۷ء کو گلگت بلتستان اور ملحقہ علاقے آزاد کرا لیے۔

☆ ۱۶ نومبر ۱۹۴۷ء کو اسلامی جمہوریہ پاکستان نے ان علاقوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

(نادیہ آمین سرموی، اسلام آباد)

خوشخبری

☆ حضرت علامہ محمد بشیر (مرحوم) کی علالت کے بعد مضمون **''آپ کے مسائل اور ان کا حل''** کا سلسلہ رک گیا تھا۔ اب قارئین کی شدید خواہش اور پرزور اصرار پر **''آپ کے مسائل اور ان کا حل''** کا سلسلہ اس شمارے سے دوبارہ شروع ہوا گیا ہے جس کے لیے علمائے نوربخشیہ کی ایک کمیٹی بنائی گئی ہے جو شریعت محمدیہ کے عین مطابق قارئین کے مسائل اور سوالوں کے جواب دیں گے۔

☆ انشاءاللہ اگلے شمارے سے مضمون **''مجموعہ شریعت محمدیہ''** بھی سلسلہ وار شائع ہوتا رہے گا۔

اخبار تصوف

دنیائے تصوف کی خبریں

جی ایم شاہین

مطالعاتی دورہ NYF سندھ زون

عیدالاضحیٰ کے پرمسرت موقع پر نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن سندھ زون نے ایک پروقار مطالعاتی دورے کا اہتمام کیا جس میں ملت صوفیہ نوربخشیہ سے تعلق رکھنے والے کم وبیش دو سو ستر (۲۷۰) مخلص کارکنوں، سینیئر قائدین اور علمائے کرام نے اپنی شرکت کو یقینی بناتے ہوئے اتحاد ومحبت کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی۔ حمد، نعت اور صوفیانہ کلام پڑھتے یہ قافلہ مقررہ وقت پر کراچی کے مختلف علاقوں سے روانہ ہوئے، قدیم ترین قبرستان مکلی میں خوبصورت اینٹوں سے بنی شاہی مقبروں کا نظارہ کرنے کے بعد کینجر جھیل روانہ ہوگئے، جھیل کے صاف اور شفاف پانی سے لطف اندوز ہونے کے بعد کھانے پینے کا خاص انتظام کیا گیا۔ واپسی پر تاریخی مسجد شاہ جہان کا دورہ کیا، خوبصورت طرز تعمیر سے بنی مغلیہ دور کی یادگار مسجد میں نماز عصر ادا کرنے کے بعد علمائے کرام، جناب نجم الدین، جناب قطب الدین، جناب معروف جان اور سیکو دانیال علی نے خطاب کرتے ہوئے تمام کارکنوں کا شکریہ ادا کیا۔ پکنک کی کامیابی پر صدر تنظیم جناب شاہ حسین کبیر صاحب نے پک نک کمیٹی خصوصاً چیرمین نورعلی کو خراج تحسین پیش کیا۔

رپورٹر: گلزار احمد کوروی

☆☆☆☆☆

تقریب حلف برداری

گذشتہ دنوں این وائی ایف کھرکو یونٹ کی نئی کابینہ سازی کے سلسلے میں نمبردار ہاؤس میں اہم اجلاس ہوا جس کی صدارت محترم سیّد محمد صاحب نے فرمائی اور صاحب صدارت نے نئی کابینہ کے اراکین سے حلف بھی لیا۔ نئی کابینہ اوران کے عہدے درجہ ذیل ہیں۔

محمد اشرف عاصی صدر، فدا علی نائب صدر، افتخار علی جنرل سیکرٹری، گلزار حسین انصاری فنانس سیکرٹری، مبارک علی ایجوکیشن سیکرٹری، محبوب علی انفارمیشن سیکرٹری، صابر علی آفس سیکرٹری، فدا محمد ڈپٹی جنرل سیکرٹری، ذوالفقار علی ڈپٹی فنانس سیکرٹری، جعفر الٰہی ڈپٹی ایجوکیشن سیکرٹری، سیّد علی ڈپٹی آفس سیکرٹری، ایم اقبال نمبردار چیف آرگنائزر، عبدالخالق آرگنائزر۔

رپورٹر: محبوب علی بلبل

☆☆☆☆☆

محفل سعید

گزشتہ دنوں جامعہ شاہ ہمدانؒ صوفیہ نوربخشیہ سکردو میں ایک عظیم الشان محفل سعید منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت جناب عزت مآب ناظم دار اقامہ جامعہ شاہ ہمدانؒ مولانا موسیٰ علی کلیمؔ صاحب جبکہ مہمان خصوصی کی نشست پر مولانا غلام علی شگریؔ جلوہ افروز تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض وقار انصاریؔ تلسوی انجام دے رہے تھے۔ محفل سعید کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد نعت، قصائد اور منقبت ہر ایک نے اظہار عقیدت کے ساتھ پیش کی۔ مشہور شاعر احسان دانش نے اپنا کلام پیش کیا۔ مولانا غلام علی شگریؔ صاحب مہمان خصوصی نے تقریر کرتے ہوئے دعائیہ کلمات کے ساتھ محفل کا اختتام پذیر کیا۔ اس کے بعد عید کے نماز کھڑی ہوئی نماز کے بعد صدر صاحب نے صدارتی خطبہ کے ساتھ عید کی خطبہ فرمائی۔

رپورٹر ایم ندیم تلسوی

☆☆☆☆☆

جشن تاج پوشی

گزشتہ دنوں صوفی آباد شگر میں جشن تاج پوشی کی مناسبت سے ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب مولانا محمد یوسف عراقی امام الجماعت مسجد شاہ ہمدانؒ سکردو کر رہے تھے۔ جبکہ دور دراز سے آئے ہوئے مہمانان گرامی طالب علم جامعہ شاہ ہمدانؒ صوفیہ نوربخشیہ سکردو جناب وقار حسین انصاری نے مولا علیؑ کے شجاعت، سیرت اور فضیلت کے موضوع پر تقریر کی۔ طالب علم محمد ظریف فکری نے مولا علیؑ کے باب علم و حکمت ہونے کے موضوع پر جبکہ طالب علم محمد گلزار نے مولا علیؑ کی سخاوت کے موضوع پر سامعین کو آگاہ کیا۔ بہت سے عقیدت رکھنے والوں نے مولا علیؑ کی شان میں اظہار عقیدت پیش کیا۔ آخر میں صدارتی خطبے کے ساتھ دعائیہ کلمات پر محفل اختتام پذیر ہوئی۔

رپورٹر ایم ندیم تلسوی

☆☆☆☆☆

عظیم الشان سیمینار

گزشتہ دنوں NYF ویمن ونگ سندھ زون کے زیر اہتمام کورنگی ٹاؤن کراچی میں ایک عظیم الشان سیمینار منعقد ہوا۔ جس میں NYF ویمن ونگ کی ممبرز محترمہ عطیہ تبسم، عصمت حیدر، آمنہ ابراہیم، کنیز فاطمہ، زکیہ حسین، آمنہ حسین اور بچیوں میں عزیزہ، ثانیہ، زیب النساء، زرینہ نے خصوصی شرکت کی۔

سیمینار کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت زرینہ کو حاصل ہوئی۔ اسٹیج سیکرٹری محترمہ زکیہ نے این وائی ایف ویمن ونگ کی تاریخ اور مقاصد سے سامعین کو آگاہ کیا۔ آمنہ حسین، حمیدہ، ثانیہ، زرینہ اور زیب النساء نے نعت رسول مقبول پیش کی اور یوں محفل درود و پاک سے گونج اٹھا۔ عصمت حیدر نے خواتین کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے سیرت فاطمۃ الزہرا علیہ السلام، مقام مریمؑ، خدیجہ کبریٰؑ اور ان کی زندگی سے مختلف مثالیں دیتے ہوئے خواتین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی تاکید کی۔ کنیز فاطمہ نے طہارت کے بارے میں بہت اہم درس دیا۔ آمنہ ابراہیم نے تعلیم و تربیت پر روشنی ڈالتے ہوئے دینی اور دنیاوی تعلیم اور دیگر دینی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔

عطیہ تبسم نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے تمام خواتین کو دینی تعلیمات اور درس کے لیے کی جانے والی جدوجہد اور مشن میں اپنا حصہ ڈالنے کی تاکید کی۔ شاہ سید کے مشن کو آگے بڑھانے کی تلقین کی اور ان تمام خواتین کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس سیمینار کو کامیاب اور شاندار بنانے میں تعاون کیا۔

معلمہ سیدہ حفصہ نے خواتین کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے آسان اور قابل فہم انداز میں معلومات فراہم کیں۔ آخر میں کنیز فاطمہ نے دعائیہ کلمات سے محفل کو اختتامی شکل دی۔

رپورٹر: کنیز فاطمہ

☆☆☆☆☆

مجالس محرم الحرام

مجالس محرم الحرام جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ علی پورا سلام آباد میں انتہائی عقیدت احترام اور پر امن طریقے سے اختتام پذیر ہوئی۔ عزاداران حسین علیہ السلام کی کثیر تعداد نے شرکت فرما کر مشن حسین سے وابستگی کا اظہار کیا۔ مولانا غلام حسین سیف اللہ نے فلسفہ شہادت اور فلسفہ کربلا پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ انہوں نے عزاداران حسینؑ کو کربلا والوں کی سیرت پر چلنے کی تاکید کی۔ صرف یہ دس دن مسجد میں بیٹھ کر یا حسین یا حسین لگانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اپنی زندگی کی ان ہستیوں کے طرز کے مطابق گزار دی جائے۔ اپنا مقصد زندگی کربلا والوں کے مقصد کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ کربلا والوں نے اسی دین کی سربلندی اور دین کی بقا کی خاطر یہ عظیم قربانی دی جس میں بہتر اصحاب حسینؑ کے ساتھ ساتھ چھ ماہ کا علی اصغر نے بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ آج ہم عیش و عشرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ میاں بیوی سے جدا ہے تو باپ بیٹے سے، ماں بیٹی سے تو بھائی بہن سے الغرض نفسا نفسی کا عالم ہے۔ کسی کے پاس بھی دین کی سربلندی، دین کی بقا، تبلیغ و ترویج اور اس دین کی پاسداری کے لیے وقت نہیں ہے۔ کربلا والوں کے ساتھ اگر ہم موازنہ کریں تو افسوس ہوتا ہے کہ ہم یہ دس دن رونے، پیٹنے اور

چلانے کے علاوہ کچھ نہیں کرتے۔ آج ہم سب کو تاریخ کا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے، مشن حسینی سمجھنے کی ضرورت ہے، فلسفہ کربلا جاننے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم ان مقصد میں کامیاب ہوں تو ہماری دنیا بھی سنور جائے گی اور آخرت بھی۔

رپورٹر: ایم امین سرموی

☆☆☆☆☆

جامع مسجد امیر کبیر سیّد علی ہمدانی ؒ کندوس

گزشتہ دنوں جمعہ کے روز جامع مسجد امیر کبیر سیّد علی ہمدانی ؒ کندوس کرمنڈ ینگ کی افتتاحی تقریب ہوئی جس میں این وائی ایف خپلو، این وائی ایف مشہ بروم، این وائی ایف سینو، این وائی ایف دم سم، این وائی ایف کندوس کے جوانوں اور کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔

جمعہ کا خطبہ صدر این وائی ایف خپلو جناب نور حسن صاحب نے دیا۔ جمعے کے بعد کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ عوام میں کافی جوش و خروش پایا گیا۔ آخر میں سرکردہ جناب حاجی غلام حسین صاحب، آخوند رجب علی صاحب اور کرمنڈ ینگ کے جوانوں نے این وائی ایف کے تمام یونٹس اور بالخصوص ہیڈ ماسٹر عمران مہدی صاحب، صوبیدار قاسم صاحب، بوا ناصر صاحب، بوا نسیم صاحب، بوا سیف اللہ صاحب، سیّد مہدی شاہ صاحب، ماسٹر زاہد احمد صاحب، 8 این ایل ائی کے جوانوں اور دیگر اُن تمام لوگوں کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

یاد رہے یہ مسجد اس گاؤں میں پہلی الگ نوربخشی مسجد ہے۔ این وائی ایف کے مخلص لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ ہم اُن تمام مخلص لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جن کی کوششوں سے مسجد کا کام مکمل ہوا اور اب مدرسہ عرفانیہ صوفیہ نوربخشیہ کا کام جاری ہے۔

رپورٹر: اختر حسین معاذ کندوی

☆☆☆☆☆

بقیہ: غلام نبی شاہین سے انٹرویو

جواب: میں سمجھتا ہوں کہ اصل نوربخشی عالم دین وہی ہیں جو اس مسلک کے پیروکاروں کو یکجا کر کے چلے۔ تاہم کچھ عناصر گروہ بندیوں کو تقویت دے کر عوام کو دو حصوں میں تقسیم کر کے مفادات حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ ہو رہا ہے مگر سارے عوام اُن عناصر کی حوصلہ شکنی کرنے کی بجائے اُن کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ لہذا پڑھے لکھے باشعور اور خصوصاً علماء کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ گروہی تبلیغ کی بجائے اس مسلک پر رحم کریں اور عوام کو یکجا ہونے دیں۔ حالانکہ نہ عملیات میں فرق ہے اور نہ اصولی اختلاف ہے سب مل کر مشترکہ طور پر اعمال و عبادات بجا لائیں۔ علامہ بشیر صاحب پائے کے عالم باعمل اور صوفی بزرگ تھے۔ اُنہوں نے اس مسلک کو مزید تقسیم ہونے سے بچا لیا ورنہ مسلک نوربخشیہ دریا بُرد ہونے کے قریب تھا۔ بعض عناصر علامہ صاحب کے انہی اعمال کی وجہ سے ان سے اختلاف کرتے تھے حالانکہ اُن تمام عناصر کو علامہ صاحب کا شکرگزار ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ لوگ اس مسلک کی ترویج و اشاعت کی اہلیت نہیں رکھتے تھے اُنہوں نے اس دین کی اہم کتابوں کا ترجمہ کر کے عوام کو اپنے مسلک کے علم سے روشناس کرایا جس کی وجہ سے عوام علامہ صاحب سے بے حد متاثر ہوئے یہی وجہ تھی کہ اُن کی وفات پر تاریخی اجتماعات ہوئے جس سے یقیناً ان کی روح خوش ہوئی ہوگی۔ اگر یہ کہا جائے کہ علامہ صاحب ایک عوامی شخصیت تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ عوام نے جس طرح علامہ صاحب کو خراج تحسین پیش کیا تاریخ میں ضرور سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

نوٹ: نمائندوں اور قارئین سے شمارہ نمبر 123 سے موصول شدہ رقم کی تفصیل درج ذیل ہیں۔

نمبر شمار	علاقہ	تعداد	فروخت	رقم	وصول شدہ رقم	بقایا رقم	نام نمائندہ	کیفیت
1	کراچی	150	130	5,200/-	-	5,200/-	غلام نبی بٹ	
2	لاہور	60	60	2,400/-	2,400/-	0	محمد اقبال	
3	راولپنڈی، اسلام آباد، KPK	64	64	2,560/-	2,560/-	0	زمرد حسین	
4	گلگت	50	50	2,000/-	2,000/-	0	شاہ نواز لقدوم	
5	سکردو	275	264	10,560/-	10,560/-	0	شبیر حسین	
6	خپلو	350	350	14000/-	-	14,000/-	اصغر علی	
7	چھڑی	20	13	520/-	520/-	0	اعظم علی سرسوی	
8	انڈیا	50	50	2,000/-	0	0	حبیب اللہ کھربو	اعزازیہ
9	مشہ بروم	150	140	5,600/-	5,600/-	0	ریاض مہدی	
10	بلغار	100	52	2100/-	2100/-	0	سید ریاض	
11	علی پور اسلام آباد	20		800/-	0	0	مظفر علی اخوند	
12	کھرکوہ	30	21	900/-	900/-	0	اقبال نمبردار	
13	ڈغونی	30	15	600/-	600/-	0	عباس عاصی	
14	کوروا غواڑی	45	45	1800/-	1800/-	0	غلام عباس	
15	واہ کینٹ	20	20	800/-	800/-	0	حاجی نثار چوہان	
16	جامعہ شاہ ہمدان للبنات	11	11	440/-	440/-	0	طالبہ	
17	سکردو بازار	40	40	1600/-	1600/-	0	سرجاوید لگی ایم بیرکوتی	
18	کشمیر	10	10	400/-	0	400	سلمان علی	
19	بیرون واندرون ملک	25	25					اعزازیہ
20	بقایاجات شمارہ نمبر 120 تک				16,600/-		بذریعہ مولانا انور تھلوی	
	کل میزان	1500	1360	52,280/-	48,480/-	20,400/-		